مرکز اصلاح النساء سرگودھا کا ترجمان

ماہنامہ بناتِ اہلسنت سرگودھا

جلد نمبر 7 | ستمبر 2016 | شمارہ 10

مدیر
مولانا محمد الیاس گھمن

اے خاکِ مدینہ!

مدین کا کنواں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیاں

بچوں کا اغواء

ناشر
مرکز اہل السنۃ والجماعۃ
www.ahnafmedia.com

مرکز اصلاح النساء سرگودھا کا ترجمان

ماہنامہ

بناتِ اہلسنّت سرگودھا

جلد نمبر 7 | ستمبر 2016 | شمارہ نمبر 9

مدیر

مولانا محمد الیاس گھمن

معاون مدیر

مولانا محمد کلیم اللہ حنفی

بیرون ممالک

امریکہ، اسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک
35 ڈالر.....سالانہ

سعودیہ، انڈیا، متحدہ عرب امارات اور عرب ممالک
25 ڈالر.....سالانہ

ایران، بنگلہ دیش 20 ڈالر.....سالانہ

خط و کتابت کا پتہ

دفتر رسائل و جرائد
مرکز اہل السنّت والجماعت
87 جنوبی سرگودھا
mag@ahnafmedia.com

آن لائن پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کے لیے

www.ahnafmedia.com

سرکولیشن منیجر
0332-6311808
صبح 8 تا 4 بجے شام

WhatsApp
+923062251253

قیمت فی شمارہ 20 روپے علاوہ ڈاک خرچ

سالانہ زرتعاون 300 روپے

ناشر مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا

فہرست

بچوں کا اغوا 5

اداریہ

حضورِ اکرم ﷺ کی پیشن گوئیاں 7

محترمہ عمارہ الیاس گھمن

اے خاکِ مدینہ !! 17

مولانا سید احمد ومیض

کعبۃ اللہ کی تعمیریں 25

ندیم احمد

مدین کا کنواں 35

ذکی الرحمٰن

خدمتِ والدین کی شاہراہ جنت جاتی ہے ! 47

خورشید عالم داؤد

زبان کی آفتیں 57

مولانا ناصر محمود

درسِ قرآن

اللہ تعالی ارشاد فرماتے ہیں: "وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ" الآیۃ۔ (سورۃ حج:34)

ترجمہ: ہم نے ہر امت کے لئے قربانی مقرر کی تاکہ وہ چوپائیوں کے مخصوص جانوروں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطاء فرمائے۔

تفسیر: قربانی کا عمل اگرچہ ہر امت میں جاری رہا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں خصوصی اہمیت اختیار کر گیا، اسی وجہ سے اسے "سنتِ ابراہیمی" کہا گیا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض خدا کی رضامندی کے لیے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربانی کیلئے پیش کیا تھا۔ اسی عمل کی یاد میں ہر سال مسلمان قربانیاں کرتے ہیں۔ اس قربانی سے ایک اطاعت شعار مسلمان کو یہ سبق ملتا ہے کہ وہ رب کی فرمانبرداری اور اطاعت میں ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے اور مال ومتاع کی محبت کو چھوڑ کر خالص اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کرے۔ نیز قربانی کرتے وقت یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ قربانی کی طرح دیگر تمام عبادات میں مقصود رضاء الٰہی رہے، غیر کے لیے عبادت کا شائبہ تک دل میں نہ رہے۔ گویا مسلمان کی زندگی اس آیت کی عملی تفسیر بن جائے:

إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

(سورۃ انعام:162)

ترجمہ: میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا، سب اللہ کی رضا مندی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

درسِ حدیث

حدیث کی کتابوں میں درج ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا": اے لوگو! اللہ کی طرف رجوع کرو اور اسی سے مغفرت مانگو، میں بھی ہر روز سو مرتبہ اس کی طرف رجوع کرتا ہوں"

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا": اللہ کی قسم! میں ایک دن میں ستر سے زیادہ مرتبہ اللہ سے توبہ اور استغفار کرتا ہوں"

خادم رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سیدنا ابو حمزہ انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا": اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جس کی سواری جنگل میں گم ہونے کے بعد مل گئی ہو (جتنی خوشی اسے ہو گی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے سے اس سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں)"

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا": اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر جب وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے، اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتے ہیں جس کی سواری جنگل میں گم ہو گئی، جس پر اس آدمی کے کھانے پینے کا سامان تھا، سو وہ اس سے ناامید ہو گیا پھر مایوسی اور ناامیدی کی حالت میں ایک درخت کے سائے تلے لیٹ گیا۔ پس جب وہ اس پریشانی میں مبتلا تھا تو ناگہاں اس کی سواری اس کے قریب آ کھڑی ہوئی، اس نے سواری کی لگام تھام لی، پھر اس نے فرطِ مسرت سے اس طرح کہہ دیا: "اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔" اس نے بہت زیادہ خوشی کی وجہ سے غلطی کی (یعنی الٹ کہہ دیا)۔"

بچوں کا اغوا

اداریہ

بچے پوری قوم کی امانت ہوتے ہیں، یہی نسل ہمارا سرمایہ اور ملک و ملت کا نام روشن کرنے والی ہے۔ پچھلے دنوں سے چند ملک دشمن عناصر ہم سے ہمارا قیمتی سرمایہ لوٹنا چاہتے ہیں ہمارے بچوں کو اغوا کر رہے ہیں۔ اغواء کار پیسوں کے لالچ میں یہ سب کچھ کر رہے ہیں یعنی بچوں کو یا ان کے اعضاء فروخت کر رہے ہیں۔ گویا کہ اغواء برائے "تاوان" نہیں بلکہ اغوا برائے "جان" ہے۔

بچوں کی پراسرار گمشدگی کے واقعات سے معاشرے میں خوف و ہراس پھیل چکا ہے۔ اس موقع پر انتظامیہ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس مصیبت سے قوم کو نجات دلائے اور ایسے اقدامات کرے جن سے پوری قوم کا مستقبل محفوظ ہو سکے۔

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ بچے والدین کی ڈانٹ ڈپٹ کے ڈر سے گھروں سے بھاگ رہے ہیں، ممکن ہے کہ بعض واقعات اس نوعیت کے بھی پیش آئے ہوں۔ مگر اب تک لاہور، فیصل آباد اور پنجاب کے دیگر شہروں سمیت مجموعی طور پر سینکڑوں بچے لاپتہ ہو چکے ہیں۔

انتظامیہ اس معاملے کی کھوج لگائے اس جرم میں منشیات کے عادی لوگ بھی ملوث ہو سکتے ہیں۔ مجرموں کی شناخت کی جائے تو ضرور اس میں وہ مافیا بھی ملوث ہو گا جو جنسی خواہشات کیلئے بچوں کو اغوا کرتے ہیں۔

معصوم بچیوں کو قحبہ خانوں پر فروخت کر دیا جاتا ہے۔ انہیں معذور بنا کر ان سے بھیک منگوائی جاتا ہے اور ان سارے جرائم میں کئی بااثر اور طاقتور مافیا ملوث ہیں۔

میڈیا پر اور تعلیمی اداروں میں اس کی روک تھام کے لیے بچوں اور ان کے

والدین کو احتیاطی اور حفاظتی تدابیر سے آگاہی کی ورکشاپس کا اہتمام کیا جائے۔ تعجب کی بات ہے کہ ہے اس قدر اغواء کی وارداتوں کے باوجود کچھ والدین بھی ابھی تک اپنے جگر گوشوں سے بے پرواہی برت رہے ہیں۔ والدین کی مجرمانہ غفلت بھی وارداتوں میں اضافے کا باعث ہے، معصوم بچوں کو رات گئے تک تنہا گلیوں اور بازاروں میں بے مقصد گھومتے پھرتے دیکھا گیا ہے۔

سب سے زیادہ ذمہ داری والدین کی بنتی ہے کہ وہ اپنے بچوں پر کڑی نظر رکھیں۔ معصوم بچوں کا اغواء روکنے اور اغواء کاروں کو کیفر کردار تک پہنچانے کیلئے جہاں ریاستی اداروں کو آپس میں سر جوڑ کر منصوبہ بندی بنانے کی ضرورت ہے وہاں بچوں کے والدین، سرپرستوں سمیت معاشرے کے مختلف طبقات کو اپنی خدمات پیش کرنا ہوں گی۔

اطلاعات یہ بھی ہیں کہ بعض اداروں کے افسران کے بچوں کو اغواء کیا جارہا ہے اغواء کار اپنے جرائم سے نکلنے کے چور دروازے تلاش کر رہے ہیں اور مزید اعلیٰ سطح پر ملک میں تخریب کاری کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ اسلام تو ایسے مذاق سے بھی منع کرتا ہے جس میں کسی کا ہلکا سا دل دکھ جائے۔

اور یہاں اغواکاروں نے کئی خاندانوں کو تڑپا رکھا ہے خصوصا والدین کو ستایا جارہا ہے۔ یہ ساری کوششیں اس لیے کی جارہی ہیں لوگ اپنے بچوں کو تعلیم نہ دے سکیں۔ اس موقع پر مقامی انتظامیہ اور گورنمنٹ پر ضروری ہے کہ وہ اس کی روک تھام کے لیے سنجیدہ، مثبت اور مفید اقدامات کرے۔ تاکہ نئی نسل بلا خوف تعلیم حاصل کر کے ملک و قوم کا نام روشن کر سکے۔ اللہ تعالیٰ میرے ملک کو اندرونی و بیرونی سازشوں سے محفوظ رکھے اور ہمارے بچوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔

آمین یارب العالمین

حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی پیشن گوئیاں

محترمہ عمارہ الیاس گھمن

قبل از وقت کسی واقعے کی اطلاع دینے کو "پیشن گوئی" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی آئندہ رونما ہونے والے بعض حالات سے مطلع فرما دیتے تھے جس کی بنیاد پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی واقعے کی اطلاع قبل از وقت ارشاد فرما دیتے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور آخری نبی ہیں اس لیے آپ نے جن جن باتوں کی پیشن گوئی فرمائی وہ ساری باتیں سچ ثابت ہوئیں۔ آیئے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چند پیشن گوئیاں پڑھتے ہیں۔

آقا نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام اہل عرب کاہنوں، نجومیوں کے جال میں گرفتار تھے۔ مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دراز سے سفر کر کے آتے تھے اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے۔ کاہن جھوٹ موٹ کی باتیں سنا کر پورے معاشرے کو بے وقوف بنا رہے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا تو ان کے لیے ثبوت نبوت کی سب سے بڑی دلیل غیب کی خبریں اور پیشن گوئیاں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مستقبل کے واقعات اور باتوں کو اس طرح پیش فرماتے کہ گویا کھلی آنکھوں سے دیکھ کر بتا رہے ہوں۔

جن جن باتوں کی اللہ کے سچے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی وہ سب کی سب پوری ہوئیں۔ یہ پیشن گوئیاں مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف حالتوں میں صادر ہوئیں اور ان کی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی۔ مثلاً کبھی نزول وحی کی صورت میں، کبھی عالم خواب میں اور کبھی قلب مبارک پر القاء کر کے۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے :تلك من انباء الغیب نوحیها الیك ما کنت تعلمها انت ولا قومك من قبل هٰذا۔ یہ غیب کی باتیں ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اس سے پہلے آپ اور آپ کی قوم ان کو نہیں جانتی تھی۔

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئیوں کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ واضح اور ظاہر ہیں اور شک اور تاویل سے بہت دور ہیں۔ مثلاً غلبہ روم، خلافت راشدہ، فتح یمن، فتح شام، فتح عراق اور قیصر وکسریٰ کی سلطنتوں پر فتح ونصرت کی تمام پیشن گوئیاں صریح اور واضح ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ایسی عظیم الشان ہیں جن کو دیکھ کر اور سن کر تمام عالم حیران ہیں۔

پیشن گوئی نمبر 1:

غزوۂ خندق کے موقع پر خندق کھودتے ہوئے ایک سخت چٹان حائل ہو گئی جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کو توڑنے سے عاجز آ گئے اور چٹان باوجود کوشش کے نہ ٹوٹ سکی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی گئی۔ اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ضربیں لگائیں ہر ضرب پر چٹان سے روشنی پھوٹتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے :تمت کلمة ربك صدقا وعدلا ۔ لا مبدل لکلمته وهو السمیع العلیم۔ بخاری شریف ؛مسند احمد اور سنن نسائی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلی بار بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو چٹان ایک تہائی ٹوٹ گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر۔ مجھے ملک شام کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں، خدا کی قسم میں شام کے سرخ محلات اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ کدال ماری تو دوسرا تہائی ٹکڑا ٹوٹ کر گرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر۔ فارس کی کنجیاں مجھ کو عطا ہوئیں خدا کی قسم مدائن

کے قصر ابیض کو اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ تیسری بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کہہ کر کدال ماری تو بقیہ چٹان بھی ٹوٹ گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر۔ یمن کی کنجیاں مجھے عطا ہوئیں خدا کی قسم صنعاء کے دروازوں کو میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرائیل امین نے مجھے خبر دی کہ میری امت ان شہروں کو فتح کرے گی۔

تاریخ اٹھا کر دیکھ لیجیے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشن گوئیاں ہو بہو پوری ہوئیں۔

پیشن گوئی نمبر2:

صحیحین (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) میں حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وعظ میں قیامت تک پیش آنے والے متعدد امور کا ذکر فرمایا ان میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جو میں بھول گیا مگر جب میں ان کو دیکھتا ہوں تو یاد آجاتی ہیں یعنی واقعہ ہونے کے بعد پہچان لیتا ہوں کہ یہ وہی بات ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی جس طرح کسی شخص کی صورت یاد ہو اور وہ غائب ہو جائے پھر جب اسے دیکھتا ہے تو پہچان لیتا ہے کہ یہ فلاں شخص ہے۔

پیشن گوئی نمبر3:

زرقانی میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ ہم نے عرض کیا کہ قالین ہمارے گھر کہاں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھو گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنی زندگی

میں وہ دن بھی دیکھا جب ہم قالینوں پر بیٹھے تھے۔

پیشن گوئی نمبر4:

ابو داؤد شریف میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ ایک شخص نے بھوک کی اور دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے خانہ کعبہ کا طواف کرنے نکلے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہو گا۔ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ امن وامان اپنی زندگی میں دیکھا۔

پیشن گوئی نمبر5:

بخاری شریف میں ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کے بعد قریش ہم پر حملہ آور نہیں ہوں گے بلکہ ہم ہی ان پر غالب ہوں گے۔

پیشن گوئی نمبر6:

بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں کفار کے مقتولین کی قتل گاہ کی اطلاع دی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جگہ بتائی دشمن اسی جگہ پر قتل ہوئے۔

پیشن گوئی نمبر7:

صحیحین میں ہے کہ خیبر میں یہود کے کئی مضبوط قلعے تھے ہر روز مسلمان مجاہدین زور آزمائی کر کے واپس لوٹ آتے لیکن خیبر فتح نہیں ہو رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دیں

گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

پیشن گوئی نمبر 8:

صحیح مسلم کی روایت ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب جنگ بدر میں گرفتار ہوئے تو فدیہ کے مطالبے پر فرمایا کہ میرے اندر استطاعت نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مال کہاں ہے جو ام الفضل کے پاس چھوڑ آئے ہو؟ اس کو دے کر آزاد ہو جاؤ۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس بات کو میرے اور میری بیوی کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

پیشن گوئی نمبر 9:

بخاری شریف میں ہے کہ آپ نے اپنے وصال کے وقت حضرت فاطمہ کو اپنے وصال کی اور حضرت فاطمہ کے سب سے پہلے جنت میں پہنچنے کی بشارت دی۔

پیشن گوئی نمبر 10:

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان نبوت سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوزخ سے بچائے گا ایک وہ جو غزوہ ہندوستان میں شریک ہو گا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس غزوہ میں شریک ہونے کی تلقین فرمائی۔

پیشن گوئی نمبر 11:

ترمذی شریف میں ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے اور فرمایا کہ اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ

لوگ تخت شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے یہ بحر اخضر میں جہاد کے لیے اپنے جہاز ڈالیں گے یہ بشارت سب سے پہلے امیر معاویہ کے عہد میں پوری ہوئی اور دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا گیا۔ دمشق کا شہزادہ اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے اور دریا عبور کر کے قسطنطنیہ فتح کرتا ہے جس کی بشارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔

پیشن گوئی نمبر12:

مسند امام احمد میں ہے کہ بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے اور اس کی تولیت (انتظام، انصرام واہتمام) امت محمدیہ کا حق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تولیت کی بشارت دی جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں پوری ہوئی۔

پیشن گوئی نمبر13:

زرقانی میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مکہ معظمہ گئے وہاں جا کر وہ اس قدر سخت بیمار پڑے کہ ان کو اپنی زندگی کی امید نہ رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گے تو ان کا اضطراب دیکھ کر ان کو تسلی دی اور ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مروگے اگر خلوص سے کام کرو گے تو تمہیں عظیم درجہ ملے گا بہت سارے لوگوں کو تم سے فائدہ پہنچے گا اور بہت سوں کو نقصان پہنچے گا۔ یہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے لیے عجم کے فتوحات کی پیشن گوئی تھی چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے سپہ سالار بن کر کسریٰ کا تاج وتخت حاصل کیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت فائدہ جبکہ مجوسیوں کو نقصان پہنچا۔

پیشن گوئی نمبر14:

صحیحین میں ہے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو اطلاع دی کے تم میں سے سب پہلے مجھ سے آکر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہو گا اور ایسا ہی ہوا سب سے پہلے ام المومنین سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا جو سب سے زیادہ سخی تھیں۔ (عربی محاورے میں سخی کو لمبے ہاتھ والا کہتے ہیں)

پیشن گوئی نمبر15:

صحیحین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفاء راشدین کی بشارت دی اور خلافت راشدہ کی مدت بھی بتادی چنانچہ ارشاد فرمایا خلافت میرے بعد تیس سال ہو گی پھر بادشاہی ہو جائے گی اور یہ تیس سال کی مدت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے

پیشن گوئی نمبر16:

کتب حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش آئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے مسلمانوں کو پہلے سے متنبہ فرمایا دیا تھا ۔

پیشن گوئی نمبر17:

مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا کہ یہ شخص فتنہ کا قفل ہے یعنی جب تک عمر رضی اللہ عنہ زندہ رہیں گے فتنہ بھی مقید اور بند رہیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت تک مسلمانوں میں کوئی فتنہ اور فساد رونما نہیں ہوا جب وہ شہید ہو گئے تو فتنہ فساد شروع ہو گیا۔

پیشن گوئی نمبر 18:

صحیح بخاری میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی شہادت کی خبر دی چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت واقع ہوئی۔

پیشن گوئی نمبر 19:

شرح المواہب میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو لے کر منبر پر چڑھے پھر فرمایا کہ میرے اس فرزند کے ذریعے سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرادے گا یہ پیشن گوئی حضرت علی کی شہادت کے 6 ماہ بعد پوری ہوئی اور طرفداران علی اور حامیان معاویہ کے درمیان چند شرائط پر صلح ہو گئی۔

پیشن گوئی نمبر 20:

شرح بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر دی ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو چوم رہے تھے اور آنکھوں سے اشک رواں تھے۔ فرمایا کہ میرے اس بیٹے کو میری امت کے لوگ شہید کریں گے۔

پیشن گوئی نمبر 21:

سنن ابی داؤد اور مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آسکتی جب تک حجاز میں ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصرہ کی اونٹوں کی گردنوں کو روشن نہ کر دے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ آگ ہمارے زمانہ میں 654 ہجری میں مدینہ میں ظاہر ہوئی۔

پیشن گوئی نمبر22:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخر زمانہ میں عورتیں تجارت میں اپنے مردوں کا ہاتھ بٹایا کریں گی جو کہ آج کل واضح ہو گیا ہے۔

پیشن گوئی نمبر23:

بخاری شریف میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کی کثرت کا فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جس میں کوئی ایسا نہیں ہو گا جو سود نہ کھائے اگر برائے راست نہیں کھائے گا تو اس کا غبار یا دھواں اڑ کر اس تک ضرور پہنچے گا آج بعینہ وہی زمانہ ہے آج کل تمام سرمایہ کاری میں سود یا اس کا اثرات شامل ہو رہے ہیں۔

پیشن گوئی نمبر24:

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آخر زمانہ میں مسلمانوں میں آپس میں اختلاف ہو جائیں گے اور مخالف قوتیں ان کے خلاف جمع ہو جائیں گی۔ حاضرین نے پوچھا: کیا اس وقت ہم قلیل ہوں گے فرمایا نہیں تم اس وقت کثیر ہو گے لیکن تم میں "وھن" پیدا ہو جائے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا "وھن" کیا ہے؟ فرمایا حب الدنیا و کراھیۃ الموت ۔ دنیا کی محبت اور موت سے نفرت۔ آج اس پیشن گوئی کو ہم سب اچھی طرح دیکھ رہے ہیں۔

پیشن گوئی نمبر25:

صحیح مسلم میں فتنوں اور آثار قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور صریح الفاظ میں اپنی امت کو یہ اطلاع دی کہ آخر زمانہ میں دجال کے ظہور اور نزول مسیح سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم خونی معرکے پیش آئیں گے گو اس ملک

میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سینکڑون خونی معرکے پیش کیے ہیں مگر جنگ عظیم نے شام کی جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات آنے والے خونی معرکوں کی تقریب اور تمہید ہیں۔

پیشن گوئی نمبر26:

ابو داؤد اور بیہقی میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عنقریب قومیں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالے پر گرتے ہیں۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! کیا یہ اس لیے کہ اس زمانے میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی۔ فرمایا: نہیں! تمہاری تعداد ان دنوں زیادہ ہو گی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے جیسے سیلاب کی سطح پر خس وخاشاک ہوتے ہیں کہ سیلاب ان کو بہالے جائے گا اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دے گا اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا۔

کسی نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کمزوری کیا ہو گی؟ فرمایا دنیا اور فوائد دنیا کی محبت اور موت کا بزدلانہ خوف۔

اور بھی کثیر پیشن گوئیاں کتب حدیث میں موجود ہیں جو حرف بحرف پوری ہو چکی ہیں یا ابھی پوری ہونی ہیں۔ اللہ کے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشن گوئیوں کی طرح آپ کی تعلیمات بھی سچی اور برحق ہیں۔ اسی میں دنیا و آخرت کی نجات ہے اس لیے ہمیں یہ فکر کرنا ہو گی کہ ہم اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقوں کے مطابق زندگی بسر کریں۔

آمین یارب العلماء و العالمین

اے خاکِ مدینہ !!

مولانا سید احمد ومیض

ساری زمین اللہ کی بنائی ہوئی ہے اور سارے شہر اللہ کے ہیں لیکن زمین کے کچھ ٹکڑوں اور کرہ ارض کی کچھ آبادیوں کو خود خالق کائنات نے غیر معمولی تقدس عطا فرمایا مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ یہ دونوں ایسے پاک مقامات ہیں جن کی عظمت پر ساری عظمتیں نثار ہیں یہ دونوں کرۂ ارض کے مقدس ترین شہر ہیں جن کی قرآن مجید میں قسم کھائی گئی ہے۔ مکہ مکرمہ میں اگر خدا کا گھر ہے تو مدینہ منورہ میں رسول اللہ ﷺ کی مسجد نبوی ہے ایک کو اگر خلیل اللہ نے آباد کیا تھا تو دوسرے کو حبیب اللہ ﷺ نے آباد کیا مکہ مکرمہ اگر نبی پاک ﷺ کا مولد ہے تو مدینہ منورہ آپ کا مسکن ہے مکہ مکرمہ میں اگر رسول اللہ ﷺ کے آباواجداد مدفون ہیں تو مدینہ منورہ میں خود رسول اللہ ﷺ مدفون ہیں۔

مکہ مکرمہ اگر مظہر جلال ہے تو مدینہ منورہ مظہر جمال ہے اگر حرم کعبہ کو دیکھنا عبادت ہے تو روضہ رسول ﷺ کی زیارت باعث شفاعت ہے' اگر صحن کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ہے تو مسجد نبوی ﷺ میں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اگر مکہ میں جنت المعلیٰ ہے تو مدینہ شریف میں جنت البقیع ہے مکہ میں حطیم ہے تو مدینہ میں ریاض الجنۃ ہے اگر یہاں جلال خداوندی ہے تو وہاں جمال مصطفوی ہے مکہ مکرمہ میں اگر بدن طواف کرتے ہیں تو مدینہ منورہ میں روح محو طواف ہوتی ہے اگر مکہ مکرمہ کے حق میں خلیل اللہ نے دعا فرمائی تو مدینہ منورہ کے لئے حبیب رب العالمین رسول اللہ ﷺ نے خدا سے مانگا تھا۔

الغرض یہ دونوں شہر عظمتوں کے مینار ہیں خداوند قدوس نے ان دونوں

شہروں کو حرم قرار دیا یہاں کا ہر ذرہ لائق احترام ہے یہاں ہر وقت فرشتوں کا نزول اور برکتوں کا صدور ہوتا ہے' ان دو پاک شہروں میں ادنیٰ بے احترامی بھی سنگین جرم ہے۔ قتل وغارت گری تشدد و دہشت پسندی ہر جگہ مذموم ہے زمین کے کسی بھی خطے میں اگر کوئی دہشت پھیلاتا ہے تو وہ انسانیت کا مجرم اور بدترین شخص ہے لیکن اسی تشدد اور دہشت گردی کا مظاہرہ اگر حرم مکہ یا حرم مدینہ میں کیا جائے تو اس کی قباحت اور سنگینی دوچند ہو جاتی ہے۔

گزشتہ دنوں کو مدینہ منورہ کی مقدس سرزمین پر مسجد نبوی سے قریب خود کش دھماکہ کر کے جس بدترین بربریت کا مظاہرہ کیا گیا یہ صرف مدینہ پر حملہ نہیں بلکہ اسلام کے قلب پر حملہ ہے مکہ مکرمہ اگر اسلام کا دماغ ہے تو مدینہ منورہ اسلام کا دل ہے مدینہ پر حملہ دراصل قلب اسلام پر حملہ ہے یہ ایک ایسی جرأت ہے جس پر سارے عالم کے مسلمان تلملا اٹھے ہیں، ظالموں نے نہیں سوچا کہ انہوں نے کیسی سرزمین پر تباہی مچائی ہے۔

یہ حرکت وہی شخص کر سکتا ہے جس کا دل خوف خدا سے عاری ہو اور جو دشمنوں کا آلہ کار بنا ہو ایسے شخص کا اسلام تو کیا انسانیت سے بھی دور کا تعلق نہیں ہو سکتا جن ملعونوں نے یہ حرکت کی ان پر خدا اور سول کی پھٹکار ہے۔

حدیث شریف میں حضرت سائب ابن خلاد انصاریؓ نے مروی ہے رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ جو اہل مدینہ کو خوف زدہ کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے نیز ایک حدیث میں آپ نے فرمایا جس شخص نے اہل مدینہ کو ڈرایا اس نے گویا مجھے ڈرایا، نسائی کی روایت میں ہے کہ جس شخص نے اہل مدینہ کو اپنے ظلم کے خوف میں مبتلا کیا اسے اللہ تعالیٰ خوف میں مبتلا کرے گا' ایک روایت کے مطابق ایسے شخص کا کوئی بھی عمل بارگاہ خداوندی میں مقبول نہیں ہو گا خواہ فرض

ہو یا نفل ایک حدیث میں منقول ہے کہ ایک دن آنحضرت ﷺ نے دست دعا بلند کئے اور یوں گویا ہوئے خداوندا جو شخص اور میرے شہر والوں کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کو جلد ہی ہلاک کر دے۔

(مظاہر حق، ج:3/416)

صاحب مظاہر حق لکھتے ہیں: اس مقدس شہر کی عظمت وبزرگی ہی کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اس شہر کے رہنے والوں کی تعظیم وتکریم کی یہ وصیت فرمائی تھی کہ میری امت کے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ میرے ہمسایہ یعنی اہل مدینہ کے احترام کو ہمیشہ ملحوظ رکھے اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے۔ ان سے اگر کوئی لغزش ہو جائے تو اس پر مواخذہ نہ کرے اور اس وقت تک ان کی خطاؤں کو درگزر کریں جب تک کہ وہ کبائر سے اجتناب کریں یاد رکھو جو شخص ان کے احترام اور ان کی حرمت کو ملحوظ رکھے گا میں قیامت کے دن اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ اور جو شخص اہل مدینہ کی حرمت کو ملحوظ نہیں رکھے گا اسے طینۃ الخبال کا سیال پلایا جائے گا۔ واضح رہے کہ طینۃ الخبال دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے جو دوزخیوں کی پیپ اور لہو ہوتا ہے۔

(حوالہ سابقہ)

مدینہ کے ساتھ بدخواہی کرنے والا دراصل محسن انسانیت ﷺ کے قلب اطہر پر آرا چلاتا ہے اس لئے کہ آپ ﷺ کو مدینہ منورہ سے بے پناہ محبت تھی چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ جب کبھی سفر سے واپس ہوتے تو مدینہ منورہ کی دیواریں دیکھ کر اپنے اونٹ کو دوڑانے لگتے اور اگر گھوڑے یا خچر پر سوار ہوتے تو اس کو تیز کرتے اور یہ اس وجہ سے تھا کہ آپ کو مدینہ منورہ سے محبت تھی۔

(بخاری شریف)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ بطور دعا کے یوں فرمایا اے اللہ مدینہ کو اس برکت سے دوگنی برکت عطا فرما جو تو نے مکہ مکرمہ کو عطا فرمائی ہے۔

(بخاری و مسلم)

ایک مرتبہ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ بخار میں مبتلا ہو گئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ کو ان کی بیماری کی اطلاع دی آپ نے یوں دعا فرمائی اے اللہ تو مدینہ کو ہمارا محبوب بنادے جس طرح تو نے مکہ کو ہمارا محبوب بنایا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور مدینہ کی آب وہوا کو درست فرمادے اور مدینہ کے صاع اور مد میں ہمارے لئے برکت عطا فرما اور مدینہ کی بخار کو یہاں سے نکال کر جحفہ کو منتقل فرما۔

(بخاری و مسلم)

نبی رحمت ﷺ کو مدینہ کے پہاڑوں اور وہاں کے ذرے ذرے سے محبت تھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی نظر مبارک جب اُحد پہاڑ پر پڑھی تو آپ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم اس سے محبت رکھتے ہیں پھر آپ نے فرمایا اے اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں اس قطعہ زمین کو محترم قرار دیتا ہوں جو سنگ سان مدینہ کے دونوں کناروں کے درمیان ہے مدینہ وہ شہر ہے جسے رسول اللہ ﷺ نے حرم کا درجہ عطا فرمایا ہے بعض حدیثوں میں آپ نے وہاں کے درخت کاٹنے سے منع فرمایا ہے مدینہ وہ عظیم شہر ہے جس کے راستوں پر فرشتے متعین ہے اور وہاں طاعون اور دجال داخل نہیں ہو سکتا چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مکہ اور مدینہ کے علاوہ ہر شہر کو دجال روندے گا اور مکہ اور مدینہ میں سے ہر ایک کے راستوں میں کوئی راستہ ایسا نہیں ہے جس پر صف باندھے ہوئے

فرشتے نہ کھڑے ہوں جو ان شہروں کی نگہبانی کرتے ہیں جب دجال مدینہ سے باہر شور زمین میں نمودار ہو گا تو مدینہ اپنے باشندوں کے ساتھ تین مرتبہ ہلے گا جس کے نتیجے میں ہر کافر اور منافق مدینہ سے نکل پڑے گا اور دجال کے پاس چلا جائے گا۔

(بخاری مسلم)

یہ وہ شہر ہے جہاں موت پانے والے کے لئے نبی کی سفارش حاصل ہو چنانچہ حدیث میں ہے کہ جو شخص مدینہ میں مر سکتا ہو تو مدینہ میں ہی مرنا چاہئے کیونکہ جو شخص مدینہ میں مرے گا میں اس کی شفاعت کروں گا۔

(مسند احمد)

ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے مدینہ میں سکونت اختیار کر کے اس کی سختیوں پر صبر کیا قیامت کے دن میں اس کی اطاعت کا گواہ بناوں گا اور اس کے گناہوں کی بخشش کی شفاعت کروں گا اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک جگہ انتقال کرے گا قیامت کے دن اسے اللہ تعالیٰ امن والوں میں اُٹھائے گا۔

حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مدینہ میں ایک قبر کھودی جارہی تھی اور رسول کریم ﷺ بھی وہاں تشریف فرما تھے ایک شخص نے قبر میں جھانکا اور کہنے لگا یہ قبر مومن کے لئے بری خواب گاہ ہے رسول کریم ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

بری تو وہ بات ہے جو تم نے کہی اس شخص نے عرض کیا میرا منشاء یہ نہیں تھا بلکہ اس بات سے میرا مطلب اللہ کی راہ میں شہید ہونے کی فضیلت کو ظاہر کرنا تھا آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں شہید ہونے سے بہتر کوئی چیز نہیں ہے لیکن یہ بات بھی ہے کہ روئے زمین کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں جس میں میری قبر بنے اور وہ مدینہ سے زیادہ محبوب ہو آپ نے یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی۔

(موطا امام مالک)

اتناہی نہیں علماء نے لکھا ہے کہ مدینہ کی غبار تک میں شفا ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دھلوی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب جذب القلوب الی دیار محبوب میں لکھا ہے کہ حضور کو مدینہ کی غبار سے تک محبت تھی آپ کے چہرے انور پر مدینہ کا غبار پڑھ جاتا تو اسے صاف نہیں فرماتے صاحب مظاہر حق نے لکھا ہے کہ حکیم مطلق اللہ جل شانہ نے اس شہر پاک کی خاک پاک اور وہاں کے میوہ جات میں تاثیر شفاودیعت فرمائی ہے اکثر احادیث میں منقول ہے کہ مدینہ کی غبار میں ہر قسم کے مرض کی شفا ہے بعض دوسرے طرق سے منقول ہے کہ مدینہ کی غبار میں جزام اور برص کی شفا ہے آنحضرت ﷺ نے اپنے بعض صحابہ کو حکم فرمایا تھا کہ وہ بخار کا علاج مدینہ کی خاک پاک سے کریں چنانچہ نہ صرف مدینہ میں اس حکم پر عمل ہوتا رہا بلکہ اس خاک پاک کو بطور دوا لے جانے کے سلسلے میں کتنے ہی آثار منقول ہیں۔

بعض علماء نے تو اس معالجہ کا تجربہ بھی کیا حضرت شیخ مجد الدین فیروز آبادی کا بیان ہے کہ میں نے خود اس کا تجربہ کیا ہے کہ میرا ایک خدمت گار مسلسل ایک سال تک بخار کے مرض میں مبتلا تھا میں نے مدینہ کی وہ تھوڑی سے خاک پاک پانی میں گھول کر اس خدمت گار کو پلادی اور وہ اسی دن صحت یاب ہو گیا۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مدینہ کی خاک پاک سے معالجہ کا تجربہ مجھے بھی ہوا ہے وہ اس طرح کے جن دنوں میں میں مدینہ منورہ میں مقیم تھا میرے پاؤں میں ایک سخت مرض پیدا ہو گیا تھا جس کے بارے میں اطباء کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس کا آخری درجہ موت ہے اور اب صحت دشوار ہے میں نے اس خاک پاک سے علاج کیا اور تھوڑے ہی دنوں میں بہت آسانی سے صحت حاصل ہو گئی۔

(مظاہر حق ج3/415)

مدینہ منورہ عام شہروں کی طرح کوئی شہر نہیں بلکہ اسے دیار نبی ہونے کا

اعزاز حاصل ہے یہ وہ شہر ہے جو حسن ولطافت کا مرقع اور انوار و تجلیات کا مخزن ہے یہ دراصل خدا کی رحمتوں کا خزینہ ہے اور پُر سکون فضاؤں کی آماجگاہ ہے جس کی ماحول میں رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ سانسیں رچی بسی ہیں اس کا ایک ایک ذرہ نور علی نور کا پیکر ہے علامہ اقبال رحمہ اللہ نے تعلیم کے لئے انگلستان تشریف لے گئے جب آپ کا جہاز عدن کے قریب پہنچا تو آپ نے سرزمین مدینہ سے مخاطب ہو کر یوں فرمایا: اے عرب کی مقدس سرزمین تجھ کو مبارک ہو تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچہ نے خدا جانے تجھ پر کیا فسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب وتمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی اے پاک سرزمین تیرے ریگستانوں میں ہزاروں مقدس نقش قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سائے میں ہزاروں ولیوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ رکھا کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیری ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھریں اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہے کاش میں تیری صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پرواہ نہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذان بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔

ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

" یہ ایسی بارگاہ ہے جہاں ہر روز ستر ہزار فرشتے صبح شام نازل ہو کر درود شریف پڑھتے ہیں جہاں ایک نماز پچاس ہزار رکعت کا ثواب رکھتی ہے اور ایک نیکی پچاس ہزار نیکی کے برابر ہے جہاں سو میں سے نوے رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ جہاں حاضر ہونے سے گناہ بخش دئے جاتے ہیں جہاں کا دربار فیض بار ہے جہاں جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے جہاں تمام افکار وہموم دفع ہو کر دل کو اطمینان حاصل ہوتا

ہے' جہاں کا روضہ مبارک عرش اعلیٰ سے بھی افضل ہے جہاں فوت ہونے والا حضور ﷺ کی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے جہاں دل کا گلستان کھل اٹھتا ہے، ہر مردہ چہرے کو رونق اور قلب وجان کو تسکین ملتی ہے جہاں آنسو محبت واحترام کے انداز سیکھتے ہیں، جہاں دھڑکنیں شکر وسپاس کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

جہاں قدم رک جاتے ہیں سر جھک جاتے ہیں تاریک دل روشن ہو جاتے ہیں ، زبانیں ندامت گناہ سے گنگ ہو جاتی ہیں زندگی پشیمان ہو جاتی ہے اعمال نادم اور خطائیں شرمندہ ہو جاتی ہیں روح کی آلائشیں ختم ہو جاتی ہیں تقدیر بدل جاتی ہے مقدر جاگ جاتے ہیں التجائیں آنسوؤں کا روپ دھار لیتی ہیں یہ تقدس پاکیزگی امن وسلامتی اور محبت واحترام کی جگہ ہے یہاں مہر وفا پانی بھرتے ہیں آسمان سر جھکاتے ہیں انوار وتجلیات کی بارش ہوتی ہے باران کرم برستا ہے سعادتوں اور برکتوں سے جھولیاں بھری جاتی ہیں یہاں کے ذرے ذرے مہہ پارے نظر آتے ہیں یہاں زمانے کے تاجور اہل تخت وتاج اور وقت کے فاتح سر بہ خم نظر آتے ہیں ارباب خرد سرگشتہ وحیران ہوتے ہیں شوق محبت آتشیں ہو جاتا ہے بصارت بصیرت ہو جاتی ہے جذبے نثار جسم سراپا نیاز اور دھڑکنیں بے اختیار ہو جاتی ہیں، نگاہیں گنبد خضراء کی طرف جاتی ہیں تو واپس نہیں آتیں وہیں قربان ہو جاتی ہیں یہاں ایک لمحہ صدیوں کی عبادت پر بھاری ہوتا ہے۔ (بارگاہ رسالت میں)

ایسی مقدس سرزمین کی حرمت کو پامال کرنا اس قدر سنگین جرم ہے کہ اس کی سنگینی کو الفاظ میں بیان کیا جانا ممکن نہیں ہے اور یہ حقیقت ہے کہ مدینہ منورہ کے تقدس کو پامال کرنے والے کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے حدیث شریف کے مطابق جو کوئی مدینہ منورہ کے ساتھ سازش کرتا ہے وہ اس طرح پگھل جاتا ہے جیسے پانی میں نمک پگھل جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ شریف)

کعبۃ اللہ کی تعمیریں

ندیم احمد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ. وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ (مفہوم)اور یاد کیجیے اس وقت کو جب کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو خانہ کعبہ کی جگہ بتادی، جس کی بنیاد پہلے سے موجود تھی کہ اسے عبادت کے لیے تیار کریں اور اس عبادت میں میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے اور نماز میں قیام اور رکوع و سجود کرنے والوں کے واسطے ظاہری اور باطنی نجاستوں یعنی کفر و شرک سے پاک رکھیں، اور لوگوں میں حج کے فرض ہونے کا اعلان کر دیں۔ لوگ تمہارے پاس یعنی اس مقدس عمارت کے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور طولِ سفر کی وجہ سے دبلی ہو جانے والی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی، تاکہ اپنے دینی اور دنیوی فوائد کے لیے حاضر ہوں۔ (سورۃ الحج:6)

ایک مقام پر فرمایا:وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا (مفہوم آیت)اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد اور امن کا مقام مقرر رکھا اور آخر میں امتِ محمدیہ کو حکم دیا کہ برکت حاصل کرنے کے لیے مقامِ ابراہیم کو نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو اور ہم نے (بنائے کعبہ کے وقت)ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی طرف حکم بھیجا کہ میرے اس گھر کو خوب پاک رکھا کرو، بیرونی اور مقامی لوگوں کی عبادت کے واسطے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے۔ (سورۃ البقرۃ:125)

ابراہیم علیہ السلام کعبے کی تعمیر کرتے جاتے تھے اور دعا کرتے جاتے تھے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ، رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔(مفہوم) اور اس وقت کا تصور کرو جب ابراہیم بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھےاور اسماعیل بھی ان کے ساتھ شریک تھے، اور وہ دونوں کہتے جاتے تھے؛اے ہمارے پروردگار!ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے۔ بے شک! آپ اور صرف آپ ہی، ہر ایک کی سننے والے، ہر ایک کو جاننے والے ہیں۔

(سورۃالبقرۃ:127)

اس آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہاالسلام کی دعا کو یاد دلایا تاکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ کعبے کی تعمیر کوئی معمولی کام یا کارِ دنیا نہ تھا بلکہ نہایت دینی کام تھا کہ جس کے بعد وہ اپنی اس سعی کے مقبول ہونے کی دعا کرتے اور خود اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے خدا کا فرماں بردار اور اس گھر کا خدمت گزار ہونا اور شرائعِ حج و اسلام کا برپا اور قائم رکھنا دل سے چاہتے اور واجعلنا مسلمین لك و ارنا مناسکنا کہہ کے دعا کرتے تھے۔

خاندانِ ابراہیمی مکّے میں:

تفسیر ابن کثیر میں ائمہ تفسیر حضرت مجاہد وغیرہ سے نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ملکِ شام میں مقیم تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے، جس وقت حق تعالیٰ کا ان کو یہ حکم ملا کہ ہم خانہ کعبہ کی جگہ آپ کو بتلاتے ہیں، آپ اس کو پاک وصاف کرکے طواف و نماز سے آباد رکھیں اس حکم کی تعمیل کے لیے جبریل امین براق لے کر حاضر ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل کو مع

ان کی والدہ حضرت ہاجرہ کے، ساتھ لے کر سفر کیا۔

راستے میں جب کسی بستی پر نظر پڑتی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام جبریل امین سے دریافت کرتے کہ کیا ہمیں یہاں اترنے کا حکم ملا ہے' تو حضرت جبریل علیہ السلام فرماتے کہ نہیں آپ کی منزل آگے ہے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی جگہ سامنے آئی جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ببول کے درختوں کے سوا کچھ نہ تھا۔

اس خطۂ زمین کے آس پاس کچھ لوگ بستے تھے، جن کو 'عمالین' کہا جاتا تھا، بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلے کی شکل میں تھا، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس جگہ پہنچ کر جبریل امین سے دریافت کیا کہ کیا ہماری منزل یہ ہے تو فرمایا' ہاں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام مع اپنے صاحبزادے اور حضرت ہاجرہ کے یہاں اتر گئے اور بیت اللہ کے پاس ایک معمولی چھپر ڈال کر حضرت اسماعیل اور ہاجرہ علیہاالسلام کو یہاں ٹھہرا دیا، ان کے پاس ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا

ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت یہاں ٹھہرنے کا حکم نہ تھا، وہ اس شیر خوار بچّے اور ان کی والدہ کو خدا کے حوالے کر کے واپس ہونے لگے، جانے کی تیاری دیکھ کر حضرت ہاجرہ نے عرض کیا کہ ہمیں اس لق ودق میدان میں چھوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں جس میں نہ کوئی مونس ومددگار ہے نہ زندگی کی ضروریات۔

حضرت خلیل علیہ السلام نے کوئی جواب نہ دیا اور چلنے لگے، حضرت ہاجرہ ساتھ اٹھیں پھر بار بار یہی سوال دہرایا حضرت خلیل علیہ السلام کی طرف سے کوئی جواب نہ تھا یہاں تک کہ خود ان کے دل میں بات پڑی اور عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم دیا ہے تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے، اس کو سن کر حضرت ہاجرہ نے فرمایا کہ پھر آپ شوق سے جائیں، جس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہ کرے گا۔

ابراہیمی دعائیں:

ابراہیم علیہ السلام حکم خداوندی کی تعمیل میں یہاں سے چل کھڑے ہوئے مگر شیر خوار بچہ اور اس کی والدہ کا خیال لگا ہوا تھا جب راستے کے موڑ پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ نہ دیکھ سکیں، تو ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ سے وہ دعا فرمائی جو سورۂ ابراہیم کی آیات میں اس طرح مذکور ہے: وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۔ (مفہوم) اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دیجیے اور مجھ کو اور میرے خاص فرزندوں کو بتوں کی عبادت سے بچائے رکھیے۔

(سورۃ ابراہیم:35)

نیز یہ بھی دعا کی: رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ، رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ، وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ (مفہوم) یعنی اے ہمارے رب میں اپنی اولاد کو آپ کے محترم گھر کے قریب ایک میدان میں جو زراعت کے قابل نہیں آباد کرتا ہوں، اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز کا اہتمام رکھیں تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجیے اور ان کو پھل کھانے کو دیجیے تاکہ یہ لوگ شکر کریں۔

(سورۃ ابراہیم:37)

صفا و مروہ کی سعی کی ابتدا:

یہ دعا کر کے حضرت خلیل علیہ السلام تو اپنے وطن شام کی طرف روانہ ہو گئے، ادھر حضرت ہاجرہ کا کچھ وقت تو اس توشۂ کھجور اور پانی کے ساتھ کٹ گیا جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام چھوڑ گئے تھے، پانی ختم ہونے کے بعد خود بھی پیاس سے بے چین اور شیر خوار بچہ بھی۔ اس وقت پانی کی تلاش میں ان کا نکلنا اور کبھی کوہِ صفا پر

کبھی کوہِ مروہ پر چڑھنا اور ان دونوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر راستہ طے کرنا تاکہ حضرت اسماعیل آنکھوں کے سامنے آجائیں عام مسلمانوں میں معروف ہے اور حج میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا آج تک اسی کی یادگار ہے۔

اس قصّے کے آخر میں حضرت جبریل امین کا بہ حکمِ خداوندی وہاں پہنچنا اور چشمۂ زمزم کا جاری کرنا اور پھر قبیلۂ جرہم کے کچھ لوگوں کو یہاں آکر مقیم ہو جانا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے جوان ہونے کے بعد قبیلۂ جرہم کی ایک بی بی سے شادی ہو جانا یہ صحیح بخاری کی روایت میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

کعبے کے معمار اور تعمیر:

روایتِ حدیث کے مجموعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء سورۂ حج کی آیت میں جو بیت اللہ کو آباد کرنے اور پاک صاف رکھنے کا حکم حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو ملا تھا اس وقت اتنا ہی عمل مقصود تھا کہ اس جگہ کو حضرت اسمٰعیل اور ہاجرہ علیہما السلام کے ذریعے آباد کر دیا جائے، اس کے مخاطب صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے، کیوں کہ اسماعیل علیہ السلام ابھی شیر خواری کے عالم میں تھے، اس وقت بیت اللہ کی تعمیرِ جدید کا حکم نہ ملا تھا۔

سورۃ بقرہ کی یہ آیت جو اس وقت زیرِ نظر ہے۔وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ 'اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بھی شریک کر لیا گیا ہے، یہ حکم اس وقت کا ہے جب کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان اور متاہل ہو چکے تھے، اس وقت دونوں کو بناء بیت اللہ کا حکم دیا گیا۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام حسبِ

عادت حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کی ملاقات کے لیے مکہ مکرمہ پہنچے تو دیکھا کہ اسماعیل علیہ السلام ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر بنا رہے ہیں، والد ماجد کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، ملاقات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے کیا تم اس میں میری مدد کرو گے؟ لائق فرزند نے عرض کیا کہ بہ سر و چشم کروں گا۔

اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ٹیلے کی طرف اشارہ کیا جہاں بیت اللہ تھا' کہ مجھے اس کی تعمیر کا حکم ہوا ہے۔ بیت اللہ کے حدودِ اربعہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتلا دیئے تھے، دونوں بزرگوار اس کام میں لگے تو بیت اللہ کی قدیم بنیادیں نکل آئیں، انہی پر دونوں نے تعمیر شروع کر دی۔

اگلی آیت میں اسی کا بیان ہے، وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بیت اللہ اصل بانی حضرت خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اور اسماعیل علیہ السلام مددگار کی حیثیت سے شریک ہیں۔

جدید تعمیر:

ان تمام آیات پر غور کرنے سے وہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے جو بعض روایاتِ حدیث اور تاریخ میں مذکور ہے کہ بیت اللہ پہلے سے دنیا میں موجود تھا، کیوں کہ تمام آیات میں کہیں بیت اللہ کی جگہ بتلا دینے کا ذکر ہے، کہیں اس کو پاک صاف رکھنے کا ذکر ہے، یہ کہیں مذکور نہیں کہ آج کوئی نیا گھر تعمیر کرانا ہے اس کی تعمیر کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کا وجود اس واقعے سے پہلے موجود تھا، پھر طوفانِ نوح کے وقت منہدم ہو گیا یا اٹھا لیا گیا تھا' صرف بنیادیں موجود تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کعبے کے پہلے بانی نہیں بلکہ بناءِ سابق

کی بنیادوں پر جدید تعمیر ان کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

کعبے کے پہلے معمار:

پہلی تعمیر کس نے کس وقت کی؟ اس میں کوئی قوی حدیث منقول نہیں، اہلِ کتاب کی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی تعمیر آدم علیہ السلام کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی فرشتوں نے کی تھی، پھر آدم علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی۔

یہ تعمیر طوفانِ نوح تک باقی رہی، طوفانِ نوح میں منہدم ہو جانے کے بعد سے ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک یہ ایک ٹیلے کی صورت میں باقی رہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام و حضرت اسماعیل علیہ السلام نے از سرِ نو تعمیر فرمائی، اس کے بعد اس تعمیر میں شکست وریخت تو ہمیشہ ہوتی رہی مگر منہدم نہیں ہوئی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل قریشِ مکہ نے اس کو منہدم کر کے از سرِ نو تعمیر کیا، جس کی تعمیر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خاص شرکت فرمائی۔

کعبے کا طول و عرض:

تفسیرِ حقانی میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کو تعین اس جگہ کی معلوم نہ تھی، خدا کی طرف سے ایک ابر اسی مقدار کا کہ جس قدر تعمیرِ کعبہ مقصود الٰہی تھی نمودار ہوا اور وہ ایک جگہ پر ٹھہر گیا، ابراہیم علیہ السلام نے اسی مقدار پر کعبہ بنایا یعنی ایک لمبا چوکھونٹا مکان بنایا۔

جس کا چوڑان مشرقی جانب سے یعنی حجرِ اسود سے رکن یمانی تک بیس گز تھا اور مغربی جانب رکن یمانی سے لے کر رکن غربی تک بائیس گز اور طول میں شمالی دیوار حجرِ اسود سے رکنِ شامی تک تینتیس گز لمبی اور جنوبی دیوار رکنِ غربی سے لے کر رکن

یمانی تک اکتیس گز تھی۔ سب ہئیت مجموعی بشکل مستطیل مگر نہ عرض کے دونوں سرے برابر نہ طول کی دونوں دیواریں برابر تھیں اور بلندی اس مکان کی نو گز تھی اور دروازے کی کچھ کرسی نہ تھی۔

مختلف کونوں کے نام

حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کرتے تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام پتھر اور گارا دیتے جاتے تھے اور یہ پتھر کہ جس کو 'مقامِ ابراہیم' کہتے ہیں بہ طور پاڑ کے تھا اور اس پر چڑھ کر چنتے تھے۔

واضح ہو کہ 'رکن' خانہ کعبہ کے گوشوں کا نام ہے، اس چوکھونٹے مکان کے چار گوشے ہیں اور ہر ایک گوشہ یا گوشے یا کونے کا ایک نام ہے، جنوب و مشرق کے رخ باہر کی جانب دو ڈیڑھ گز بلندی پر ایک کونے میں ایک سیاہ پتھر مدور توے کے برابر لگا ہوا ہے، اس کو 'حجر اسود' کہتے ہیں۔

اور جنوب و غرب میں بلندیِ قد آدم پر ایک سرخی نما پتھر کا ٹکڑا ہے اس کو 'رکن یمانی' کہتے ہیں اور شرقی و شمالی کونے کا نام 'رکنِ شامی' ہے اس لیے کہ بہ جانب ملکِ شام ہے اور دوسرے کو غربی کہتے ہیں۔

متعدد تعمیریں:

جب ایک مدت بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بنایا ہوا مکان پہاڑی نالے کے سبب سے گر گیا تو بنی جرہم نے پھر اس کو اسی طور سے تعمیر کیا پھر ایک عرصے کے بعد یہ عمارت گر گئی تو عمالیق نے اس کو پھر تعمیر کیا (عمالیق بنی حمیر کا ایک قبیلہ تھا)، اس کے بعد جب یہ عمارت بھی ٹوٹ پھوٹ گئی تو قصی بن کلاب نے اس کو بنایا اور اس کی چھت لکڑیوں سے پاٹ دی اور اس پر سیاہ غلاف ڈال دیا۔

یہ عمارت مدت تک رہی، یہاں تک کہ حضرت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر دس بارہ برس کی ہو گی کہ قریش نے کعبہ تو بنایا۔

قریش کے تصرفات:

قریش نے کعبہ تو بنایا مگر کئی تصرف اس میں کر دیے۔

(۱) حطیم کی جانب سے کئی گز زمین چھوڑ کر کعبے کی دیوار غربی اٹھائی۔

(۲) دروازے کی چوکھٹ تخمیناً دو گز اونچی کر کے لگائی تاکہ ان کی مرضی کے بغیر ہر شخص کعبے میں اچھی طرح نہ داخل ہو سکے۔

(۳) کعبے کے اندر لکڑی کے ستونوں کی دو صف قائم کیں، ہر ہر صف میں تین تین ستون تھے۔

(۴) دیواروں کو دو چند بلند کر دیا۔

(۵) رکنِ شامی کے قریب کعبے کی چھت پر چڑھنے کے لیے زینہ بھی بنایا۔

نبوی ارادے کی تکمیل:

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں کعبے کو پھر قدیم بنیادِ ابراہیم پر بنائوں اور دروازہ زمین سے ملادوں اور دو دروازے رکھوں، ایک سے لوگ داخل ہوا کریں دوسرے سے خارج۔

اس عرصے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے، پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے اور انہوں نے یہ حدیث اپنی خالہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے سنی تو آپ کے ارادے کو پورا کر دیا یعنی بہ دستورِ قدیم کعبے کو از سرِ نو بنایا اور دو دروازے رکھے، ستائیسویں رجب سنہ چونسٹھ ہجری میں اس تعمیر سے فراغت پائی۔

کعبہ سابقہ طرز پر:

اس کے تھوڑے دنوں کے بعد بنی امیہ کا دور دورہ ہو گیا اور حجاج بن یوسف نائب عبد الملک بن مروان کو تعمیر عبد اللہ بن زبیر ناپسند ہوئی، اس نے کعبے کو گرا کر پھر بنیادِ قریش پر بنایا اور صرف ایک دروازہ مشرقی جانب میں رکھا اور اندر سے قدِ آدم بھرت کر کے اونچا دروازہ لگایا اور ایک ٹکڑا طولانی جانب میں سے اسی طرح باہر رکھا جس کو 'حطیم' کہتے ہیں۔

یہ تعمیر 74 ہجری میں ہوئی (بعض کہتے ہیں کہ حجاج نے کل کو نہیں گرایا بلکہ عبد اللہ بن زبیر کے تصرفات میں تصرف کیا تھا)۔

پھر بنی عباس کے عہد میں ہاروں رشید نے قصد کیا کہ بنائے عبد اللہ بن زبیر پر کعبے کو بنائے، مگر علماء نے منع کیا کہ بار بار بنانا اور گرانا کھیل ہو جائے گا۔

موجودہ کعبہ

تعمیر حَجاج سلطان مراد بن احمد خان سلطان قسطنطنیہ کے عہد تک قائم رہی اور شاہان اسلام اسی عمارت کی مرمت کرتے رہے، مگر یہ عمارت جب بہت کہنہ ہو گئی تو سنہ ایک ہزار چالیس (1040) ہجری میں سلطان مراد نے کعبے کی تعمیر کا ارادہ کیا اور سوائے اس کونے کے جس میں حجرِ اسود لگا ہوا ہے، سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیادِ حجاج کے موافق اسی طور سے کعبے کو بنایا اور اندر سنگِ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر کی دیواروں میں بھی اکثر سنگِ مرمر لگا ہوا ہے اور کسی عمدہ لکڑی کے دو صف ستونوں کے ہیں، ایک ایک صف میں تین تین ستون ہیں اور اندر سے چھت پر نفیس مخملی چھت گیری ہے اور اوپر سے گچ ہے اور باہر کی دیواریں سنگِ خارا سے چونے میں چنی ہوئی ہیں، ان کی لپائی نہیں ہوئی ہے، نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام کعبے پر پڑا رہتا ہے۔

مدین کا کنواں

ذکی الرحمٰن

تعمیرِ سیرت، کردار سازی، خود معماری یا تخلیقِ ذات ایک بنیادی انسانی ضرورت ہے۔ اسلام نے ایک مکمل نظامِ زندگی ہونے کی حیثیت سے تعمیرِ سیرت کا بھی ایک جامع، فطری اور مبنی بر اعتدال تصور اور نظام فراہم کیا ہے جو ہر زمانے اور ملک کے لیے قابلِ عمل اور لائقِ تطبیق ہو سکتا ہے۔ تاہم اس بدیہی حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مختلف زمانوں اور علاقوں کے تناظر میں بسا اوقات تعمیرِ سیرت کے بعض پہلوؤں یا عنصروں کو دیگر پہلوؤں اور عنصروں پر فوقیت یا ارجیحنسی حاصل ہو جاتی ہے، یعنی کبھی کبھی تعمیرِ سیرت کے بعض پہلوؤں پر زور دینے کی ضرورت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے۔ آج ہر دیدۂ بینا اور گوشِ شنوا جس طرح بے حیائی، فحاشی، عریانیت اور جنسی آزادی کے غلغلے کو دیکھ اور سن رہا ہے، وہ شاید ابھی چند پشت پہلی نسلوں کے لیے ناقابلِ تصور اور از قبیلِ محال بات تھی۔ ایسے میں ضرورت ہے کہ بے حیائی کے سیلاب پر بند ھ باندھنے کے لیے اسی کے متوازی کوششیں کی جائیں اور عفت و عصمت اور حیا و شرم کے انسانی جوہر کی اہمیت اور صالح انسانی سماج کے لیے اس کی افادیت و ناگزیری کو بیش از بیش اجاگر و مبرہن کیا جائے۔

بس اسی جذبے سے یہ چند اوراق سیاہ کیے گئے ہیں اور ایک جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کی روشنی میں اس موضوع سے تعلق رکھنے والی بعض رہنمائیوں کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ وباللہ التوفیق۔

قرآنِ کریم میں جہاں بہت سارے نبیوں کے قصے بیان کئے گئے ہیں وہیں جلیل القدر نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اس میں سب سے زیادہ مفصل طور

سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے مختلف پہلو مختلف مراحل میں قرآن کی مختلف سورتوں میں آئے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک موقعہ وہ بھی تھا جب آلِ فرعون نے ان کی جان لینے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن بروقت انہیں اطلاع ہو جاتی ہے اور وہ اپنی جان بچا کر علاقۂ مدین کی طرف ہجرت کر جاتے ہیں۔ جب وہ مدین پہنچتے ہیں تو وہاں وہ ایک کنویں کے پاس دو خواتین کو کھڑا ہوا پاتے ہیں جو انتظار کر رہی ہوتی ہیں کہ کنویں پر موجود لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا کر چلے جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی مدد کرتے ہیں اور ان کے جانوروں کو از خود پانی نکال کر پلا دیتے ہیں۔

یہ دونوں خواتین اپنے گھر آ کر والدِ محترم سے جنہیں مفسرین کی ایک تعداد اللہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام قرار دیتی ہے، اس شخص کے بارے میں بتاتی ہیں۔ والدِ محترم ان کی بات سن کر اس اجنبی آدمی سے ملنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں اور اپنی ایک بیٹی کو انہیں بلانے کے لیے بھیج دیتے ہیں۔ بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور لڑکیوں کے والد کے درمیان یہ معاہدہ طے پاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی ان کی ایک بیٹی سے کر دی جائے گی اور وہ بدلے میں آٹھ یا دس سال تک سسرال کا انتظام وانصرام دیکھیں گے۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام واپس ملکِ مصر لوٹتے ہیں اور راستے میں انہیں نبوت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اِس وقت یہاں صرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مدین آنے اور ایک صالح باپ کی صالح بیٹیوں کے آپ کے ساتھ برتاؤ سے بحث مقصود ہے کہ کس طرح دونوں جانب سے ایک ایک حرکت اور عمل میں عفت وپاکدامنی ٹپکتی ہے۔

سب سے پہلے قرآن کریم کی سورۃ قصص کی آیت نمبر 22 سے 30 تک کا کا ترجمہ دیکھ لیجئے:

(''مصر سے نکل کر) جب موسیٰ نے مدین کا رخ کیا تو اس نے کہا: امید ہے کہ میرا رب مجھے ٹھیک راستے پر ڈال دے گا۔ اور جب وہ مدین کے کنویں پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ بہت سے لوگ اپنے جانوروں کو پانی پلا رہے ہیں اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی ہیں۔ موسیٰ نے ان عورتوں سے پوچھا: تمہیں کیا پریشانی ہے؟ انہوں نے کہا: ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں، اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں۔

یہ سن کر موسیٰ نے ان کے جانوروں کو پانی پلا دیا، پھر ایک سائے کی جگہ جا بیٹھا اور بولا: پروردگار، جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کر دے میں اس کا محتاج ہوں۔ (کچھ دیر نہ گزری تھی کہ) ان دونوں عورتوں میں سے ایک شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے پاس آئی اور کہنے لگی: میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لیے جانوروں کو جو پلایا ہے اس کا اجر آپ کو دیں۔ موسیٰ جب اس کے پاس پہنچا اور اپنا سارا قصہ سنایا تو اس نے کہا: کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو۔

ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔ اس کے باپ نے (موسیٰ سے) کہا: میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کر دوں بشرطیکہ تم آٹھ سال تک میرے ہاں ملازمت کرو، اور اگر دس سال پورے کر دو تو تمہاری مرضی ہے۔ میں تم پر سختی نہیں کرنا چاہتا۔ تم ان شاء اللہ مجھے نیک آدمی پاؤ گے۔ موسیٰ نے جواب دیا: یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو گئی، ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی میں پوری کر دوں، اس کے بعد پھر کوئی زیادتی مجھ پر نہ ہو، اور جو کچھ قول قرار ہم کر رہے ہیں اللہ اس پر نگہبان ہے۔

جب موسیٰ نے مدت پوری کر دی اور وہ اپنے اہل وعیال کو لے کر چلا تو طور

کی جانب اس کو ایک آگ نظر آئی۔ اس نے اپنے گھر والوں سے کہا: ٹھہرو، میں نے ایک آگ دیکھی ہے، شاید وہاں سے کوئی خبر لے آؤں یا اس آگ سے کوئی انگارہ ہی اٹھالاؤں جس سے تم تاپ سکو۔ وہاں پہنچا تو وادی کے داہنے کنارے پر مبارک خطے میں ایک درخت سے پکارا گیا کہ اے موسیٰ، میں ہی اللہ ہوں، سارے جہانوں کا مالک۔

1: حضرت موسیٰ کی زندگی کے اس واقعہ میں سب سے پہلے غور کرنے کی بات یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ میں یہ دونوں لڑکیاں عام لوگوں سے کافی دور ہٹ کر کھڑی تھیں۔ قرآن کے الفاظ اس سلسلے میں یہ ہیں: (مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ) اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی تھیں۔

2: الفاظ پر غور کیجئے کہ یہ دونوں لڑکیاں ہر ممکن کوشش اس بات کی کر رہی تھیں کہ ان کا اختلاط کسی طور بھی مردوں سے نہ ہونے پائے۔ اجنبی مردوں سے دور رہنے کی کوشش ہی میں دونوں جان توڑ کوشش کر رہی تھیں کہ ان کی بکریاں دوسروں کی بکریوں کے ریوڑ میں نہ گھسنے پائیں۔

قرآن کہتا ہے: (وَوَجَدَ مِن دُونِهِمُ امْرَأَتَيْنِ تَذُودَانِ) اور ان سے الگ ایک طرف دو عورتیں اپنے جانوروں کو روک رہی تھیں۔

3: دونوں لڑکیوں کی عفت و پاکدامنی کا ایک بڑا ثبوت یہ بھی ہے کہ جب کسی اجنبی مرد (یعنی حضرت موسیٰ) نے ان سے سوال کیا تو بے حد مختصر اور مناسب جواب دیا، اپنی آواز کو یا اپنے الفاظ کو یا اپنے جملوں کو بلاوجہ دراز کرنے کی کوشش نہیں کی۔

قرآن کے الفاظ پر غور کیجئے: (قَالَتَا لَا نَسْقِي حَتَّىٰ يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُونَا شَيْخٌ كَبِيرٌ) انہوں نے کہا: ہم اپنے جانوروں کو پانی نہیں پلا سکتیں جب تک یہ چرواہے اپنے جانور نہ نکال لے جائیں، اور ہمارے والد ایک بہت بوڑھے آدمی ہیں۔

4: ان دونوں لڑکیوں کی عفت وعصمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ انہوں نے ایک اجنبی مرد یعنی حضرت موسیٰ کے ساتھ بات چیت کے مواقع نہ صرف پیدا نہیں کئے، بلکہ جو پیدا ہو سکتے تھے انہیں روکنے کی کوشش کی۔ حضرت موسیٰ نے ان سے صرف یہ جاننا چاہا تھا کہ ان کی صورتِ حال ایسی کیوں ہے کہ سب سے الگ کھڑی ہیں؟ اس کا جواب ویسے تو سوال کے بقدر بھی ہو سکتا تھا لیکن انہوں نے اس ایک سوال وجواب کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے جملہ محتمل جوابات کو فوراً یعنی ایک ہی بار میں بیان کر دیا۔ وہ جواب میں کہہ سکتی تھیں کہ ہم مردوں کے بعد اپنی بکریوں کو پانی پلاتے ہیں۔

اس جواب سے یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ ایسا کیوں ہے، یا یہ چرواہے کب جائیں گے کہ تم اپنے مویشیوں کو پانی پلا سکو وغیرہ۔ بہر حال پورا امکان تھا کہ اجنبی مرد اور عورتوں کے بیچ میں بات کو طول مل جاتا، لیکن ان دونوں لڑکیوں کی اسلامی تربیت کا کرشمہ تھا کہ انہوں نے پہلے ہی مرحلے میں اور ایک ہی سوال کے جواب میں جملہ محتمل سوالات کے جواب دے ڈالے اور اس میں بھی طولِ کلامی کے بجائے بیحد اختصار اور احترام روا رکھا۔ آپ ایک بار پھر غور سے ان کے جواب کو اوپر دیکھ لیں۔

5: اس پورے واقعہ سے حضرت موسیٰ کی عفت مآبی کا ثبوت بھی بدرجۂ اتم ملتا ہے کہ اس پورے قصہ میں انہوں نے کسی اجنبی نوجوان لڑکی سے صرف دو لفظوں کا مختصر سوال ہی کیا تھا کہ (قَالَ مَا خَطْبُكُمَا) موسیٰ نے ان عورتوں سے پوچھا: تمہیں کیا پریشانی ہے؟ قرآن نے اس کے بعد حضرت موسیٰ کی کوئی ایسی بات نقل نہیں کی جس سے معلوم ہوتا ہو کہ انہوں نے بعد میں بھی کسی موقعے پر کچھ بات ان سے چھیڑی تھی۔ بلکہ اس کے بعد ہمیں حضرت موسیٰ اسی وقت بولتے ہوئے نظر آتے ہیں جبکہ وہ ان کے والدِ محترم سے ملاقات کر لیتے ہیں۔

6: حضرت موسیٰ کی عفت وپاکدامنی اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ

انہوں نے بغیر کسی گفت وشنید کئے ان لڑکیوں کی بکریوں کے ریوڑ کو کنویں سے پانی نکال کر پلا دیا۔

انہوں نے لڑکیوں سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ ان سے ایسا کرانا چاہتی ہیں، کیونکہ ظاہری حالات ایسے تھے کہ سوال وجواب کرنا عبث ہوتا، مزید برآں سوال جواب سے بھروہی بات چیت کا آغاز ہوتا جو بہر حال اجنبی مرد وعورت کے درمیان مناسب نہیں ہے۔ یہی چیز تھی جو حضرت موسیٰ نہیں چاہتے تھے اس لیے انہوں نے بالکل خاموشی کے ساتھ اٹھ کر بلا کوئی گفتگو کئے ان کی بکریوں کو پانی پلا دیا۔

7: حضرت موسیٰ کی عفت اس سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے بکریوں کو پانی پلانے کے بعد داد وصولی کرنے یا کسی شکریے کا انتظار کرنے کے بجائے فی الفور ایک پیڑ کے سائے کی طرف رخ کیا اور کسی طرح کی فارملٹی یعنی شکریہ و تحسین کے لیے توقف نہیں فرمایا۔ دل کے مریضوں کے لیے یہی موقعہ بگڑنے کا ہوتا ہے کہ کسی خاتون کی مدد کرکے اس کے ساتھ ملاقات وگفتگو کے مواقع پیدا کرتے ہیں۔ تھوڑی سی مدد کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہوتی ہیں جن کا آغاز بھی شکریہ ادا کرنے اور شکریے کی ضرورت نہیں۔

غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ اگر چاہتے تو وہ ایسا کر سکتے تھے کیونکہ انہوں نے ان لڑکیوں کے ساتھ بڑی بھلائی کا کام کیا تھا، بغیر کسی درخواست کے کیا تھا، کنویں سے پانی نکالنے، پھر منتشر مزاج بکریوں کو پلانے جیسا پُر مشقت کام کیا تھا، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کام ختم ہوتے ہی سیدھے ایک سائے کی طرف چلے جاتے ہیں اور کسی قسم کے رسمی کلمات کی توقع نہیں رکھتے۔

8: اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان لڑکیوں نے کس حد تک اپنی سی کوشش کرکے مردوں میں گھسنے سے اور ان میں اختلاط کرنے سے اپنے آپ کو دور

رکھا ہوا تھا۔ آج عورتوں کو گھروں سے باہر گھومنے پھرنے کے لیے جو اعذار تراشے جاتے ہیں وہ درحقیقت سارے کے سارے اس واقعے میں فی الواقع موجود تھے۔ مثال کے طور پر ان کے واقعی گھر سے نکلنے کی ضرورت پائی جاتی تھی کہ گھر میں کوئی قدرت رکھنے والا مرد ایسا نہ تھا جو ان کے بدلے یہ کام انجام دے سکتا۔

اختلاط کا امکان اس میں بھی تھا کہ وہ کنویں پر موجود مردوں کے جمِ غفیر میں گھس کر اپنی بکریوں کو پانی پلانے کی کوشش کرتیں لیکن انہوں نے دیر ہو جانا بہتر جانا، حالانکہ اس کی وجہ سے انہیں دیر تک سورج کی تمازت بھی جھیلنی پڑتی تھی اور لمبے وقت تک انتظار بھی کرنا پڑتا تھا۔ اس سب کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اجنبی مردوں کے ساتھ گھلنے ملنے کو پسند نہیں کیا۔ ہمارے زمانے میں ان حالات سے بھی کم مجبوریوں کے تحت گھر بار چھوڑ کر بازاروں میں گھومنے کی ہمت افزائی یا معمولی خاموش تائید کی جاتی ہے، اب اسے کیا کہیں گے سوائے اس کے کہ عفت و عصمت وہاں زیادہ تھی اور یہاں کم یا بالکل ختم۔

9: ان دونوں لڑکیوں کی عفت و عصمت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ انہوں نے کسی اجنبی مرد کے ساتھ اپنی گفتگو کا آغاز ہی نفی سے کیا اور کہا کہ ہم اس وقت تک نہیں پلائیں گے جب تک کہ تمام چرواہے نہ پلا لے جائیں۔

(قَالَتَا لَا نَسْقِيْ حَتّٰى يُصْدِرَ الرِّعَاءُ وَأَبُوْنَا شَيْخٌ كَبِيْرٌ)

وہ ہمارے زمانے کے فیشن کی طرح بات کو گھما پھرا کر کہہ سکتی تھیں کہ تھوڑی دیر بعد اپنی بکریوں کو پلائیں گے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنے کلام میں نفی کا اسلوب اختیار کیا کیونکہ یہ پختہ عزمی اور قطعیت پر دلالت کرتا ہے، جبکہ اثبات کے اسلوب میں یہ زور پیدا نہیں ہو پاتا۔ نفی میں گویا کہا جا رہا ہے کہ یہ ایک فیصل شدہ معاملہ ہے اور اس میں کسی ڈسکشن یا نظرِ ثانی کی گنجائش نہیں ہے۔

10: ان دونوں لڑکیوں کی عفت وعصمت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے جواب میں یہ کہا کہ ہم اس وقت تک پانی نہیں پلائیں گے جب تک کہ چرواہے پلا کر ہٹ نہیں جاتے۔ انہوں نے یہ نہیں کہ کہ ذرا بھیڑ کم ہو جائے یا چرواہوں کی تعداد میں تھوڑی کمی آجائے تو ہم اپنے جانوروں کو پانی پلالیں گے۔ یعنی جب تک اجنبی چرواہوں میں سے ایک ایک چرواہا یہاں سے روانہ نہیں ہو جاتا ہم اختلاط سے بچنے کے لیے کنویں پر نہیں جائیں گے۔

11: ایک مختصر جملے میں ان لڑکیوں نے اپنی ذہانت سے کتنی باتیں جمع کر دی ہیں۔ یعنی ہم عورتیں ہیں، ان چرواہوں سے مزاحمت وکشمکش کر کے اپنے جانوروں کو پانی پلانا ہمارے بس میں نہیں ہے۔ والد ہمارے اس قدر سن رسیدہ ہیں کہ وہ خود یہ مشقت اٹھا نہیں سکتے، گھر میں کوئی دوسرا بھی نہیں ہے، اس لیے ہم عورتیں ہی یہ کام کرنے نکلتی ہیں اور جب تک سب چرواہے اپنے جانوروں کو پانی پلا کر چلے نہیں جاتے ہم کو مجبوراً انتظار کرنا پڑتا ہے۔ اس سارے مضمون کو ان خواتین نے صرف ایک مختصر سے فقرے میں ادا کر دیا ہے، جس سے ان کی حیاداری وخودداری دونوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ ایک غیر مرد سے زیادہ بات بھی نہ کرنا چاہتی تھیں، مگر یہ بھی پسند نہیں تھا کہ کوئی اجنبی ان کے خاندان کے متعلق کوئی غلط رائے قائم کرلے اور اپنے ذہن میں یہ خیال کرے کہ کیسے لوگ ہیں جن کے گھر کے مرد بیٹھے رہتے ہیں اور اپنی عورتوں کو اس کام کے لیے باہر بھیج دیتے ہیں۔ اس سے ان دونوں لڑکیوں کی ذہانت کا بھی پتہ چلتا ہے اور اس زبان زد جملہ کی غلطی واضح ہو جاتی ہے کہ صرف دینی تربیت اور دینی ماحول میں رہنے سے بچوں کی ذہانت وفطانت ماؤف ہو جاتی ہے۔ نیز اس سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ پوری انسانی تاریخ میں ہمیشہ اس بات کو معیوب سمجھا جاتا رہا ہے کہ عورتیں بلا اضطراری حاجت کے گھروں سے باہر کے کام کاج یا نوکریاں اختیار کریں۔ حضرت

موسیٰؑ کے زمانے تک میں گھر میں کسی صحت مند مرد کے ہوتے غیر متصور تھا کہ اس کی کوئی بہن، بیٹی، بیوی یا ماں کمانے کے لیے باہر نکلے۔

12: ان دونوں لڑکیوں کی عفت مآبی کا اشارہ اس قصے میں یہ بھی ملتا ہے کہ قرآن نے ان کی چال کو حیادار چال کہا ہے یعنی جس میں متکبرانہ انداز نہ ہو، لچک اور بھڑکیلا پن نہ ہو، ادھر ادھر دیکھنا نہ ہو، دوسروں کو دعوتِ نظارہ دینا نہ ہو، جاہلانہ زیب وزینت کا اظہار نہ ہو، بناوٹی نزاکت و مصنوعی ادائیں نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ قرآن نے اس کے لیے ایک جامع لفظ استعمال کیا ہے یعنی کہ "استحیاء" والی چال۔ استحیاء اور حیا میں فرق ہوتا ہے کہ استحیاء میں حیا سے زیادہ حروف استعمال ہوئے ہیں جس کا تقاضا ہے کہ مانا جائے کہ ان کی چال میں فطری حیا بھی تھی اور اس سے بڑھ کر اسلامی انداز وادب بھی تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس فقرے کی یہ تشریح کی ہے: وہ شرم وحیا کے ساتھ چلتی ہوئی اپنا منھ گھونگھٹ میں چھپائے ہوئے آئی تھی، ان بیباک عورتوں کی طرح درانہ نہیں چلی آئی جو ہر طرف نکل جاتی ہیں اور ہر جگہ جا گھستی ہیں۔ [جائت تمشی علی استحیاء مائلة بثوبها علیٰ وجهها لیست بسلسع من النساء ولا ولاجة خراجة]

(تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر: تفسیرِ آیات ہذا)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ صحابۂ کرامؓ کے عہد میں حیاداری کا اسلامی تصور، جو قرآن اور نبیِ اکرم ﷺ کی تعلیم وتربیت سے ان بزرگوں نے سمجھا تھا، یہ تھا کہ چہرے کو اجنبیوں کے سامنے کھولے پھرنا اور گھر سے باہر بے باکانہ چلت پھرت دکھانا اسلامی تصورِ حیا وعفت کے قطعاً خلاف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ صاف الفاظ میں یہاں چہرہ ڈھانکنے کو حیا کی علامت اور اسے اجنبیوں کے سامنے کھولنے کو بے حیائی کی علامت قرار دے رہے ہیں۔

13: غور کیجئے کہ جب ان کے والد نے حضرت موسیٰ کو بلالانے کے لیے کہا تو دونوں لڑکیاں بلانے کے لیے نہیں نکلیں جیسا کہ بکریوں کو پلانے کے لیے ساتھ نکلتی تھیں۔ ایسا اس لیے ہوا کہ اب دونوں کو جانے کی ضرورت نہ تھی۔ عورت کا گھر سے باہر نکلنا کسی ضرورت کی وجہ سے ہی جائز ہوتا ہے، اور جہاں ضرورت نہ ہو یا کسی دوسرے وسیلہ سے ضرورت پوری ہو جارہی ہو تو وہاں نکلنا بیکار اور ناجائز ہے۔ اسی کو اصولِ فقہ میں اس قاعدے سے تعبیر کرتے ہیں کہ کسی بھی ضرورت کو اس کی مقدار بھر ہی ماپا جائے گا۔[الضرورۃ تقدر بقدرھا]

ان دونوں لڑکیوں کا یہ انداز غور کیجئے کہ ہمارے زمانے سے کس درجہ مختلف ہے جہاں ادنیٰ سے موقعے پر گھومنے پھرنے کے لیے باہر نکلا جاتا ہے، بلکہ ایک کی جگہ دس کے جانے کا رواج عام ہو گیا ہے، واللہ المستعان۔

14: دونوں لڑکیوں کا اسلامی ادب اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے جو حضرت موسیٰ کو بلانے کے لیے آئی تھی اس نے گفتگو کو اپنی طرف منسوب کر کے بات نہیں کی، بلکہ کہا کہ میرے والد صاحب آپ کو بلانا چاہتے ہیں۔ ایسا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا جو مختلف معانی ومفاہیم کا محتمل ہو سکتا تھا کہ چلیے، ہم آپ کی مہمان نوازی کریں گے یا یہ کہ ہماری خواہش ہے کہ آپ آئیں یا یہ کہ ہم اور ہمارے اہلِ خانہ کی درخواست ہے کہ آپ چلیں۔ ایسا کوئی لفظ یا کوئی اسلوب استعمال نہیں کیا گیا جس میں اپنی ذات کی طرف ادنیٰ سے ادنیٰ اشارہ یا تعریض ہو سکتی تھی۔ یہ اسلامی ادب ہے۔ یہ بات شرم وحیا کی وجہ سے انہوں نے کہی کیونکہ ایک غیر مرد کے پاس اکیلی جگہ آنے کی کوئی معقول وجہ بتانی ضروری تھی۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ایک شریف آدمی نے اگر عورت ذات کو پریشانی میں دیکھ اس کی کوئی مدد کی ہو تو اس کا بدلا دینے کے لیے کہنا کوئی اچھی بات نہ تھی۔ اور پھر اس بدلے کا نام سن لینے کے باوجود حضرت موسیٰ

جیسے عالی ظرف انسان کا چل پڑنا ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس وقت انتہائی اضطرار کی حالت میں تھے۔ بے سروسامانی کے عالم میں یکایک مصر سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ مدین تک کم از کم آٹھ دن میں پہنچے ہوں گے، بھوک پیاس اور سفر کی تکان سے برا حال ہو گا اور سب سے بڑھ کر یہ فکر ہو گی کہ اس دیارِ غیر میں کوئی ٹھکانہ میسر آجائے اور کوئی ایسا ہمدرد مل جائے جس کی پناہ میں رہ سکیں۔ اسی مجبوری کی وجہ سے یہ لفظ سن لینے کے باوجود کہ اُس ذرا سی خدمت کا اجر دینے کے لیے بلایا جارہا ہے، حضرت موسیٰ نے جانے میں تأمل نہیں کیا۔ انہوں نے خیال فرمایا ہو گا کہ خدا سے ابھی ابھی جو دعا میں نے مانگی ہے اسے پورا کرنے کا یہ سامان خدا ہی کی طرف سے ہوا ہے، اس لیے اب خواہ مخواہ خودداری کا مظاہرہ کرکے اپنے رب کے فراہم کردہ سامانِ میزبانی کو ٹھکرانا مناسب نہیں ہے۔

15: ان دونوں لڑکیوں نے اپنے والد سے جب حضرت موسیٰ کی نیک عملی اور احسان کا ذکر کیا تو پوری صراحت یا منھ پھٹے کے ساتھ نہیں کہہ دیا کہ آپ اسے ضرور اپنے یہاں ملازم رکھ لیں، بلکہ اشارے میں ایسا کہا اور وہ اشارہ بھی پوری حیا اور احترام کے ساتھ۔ ایک بار پھر سے وہ آیت پڑھ لیجئے: (قَالَتْ إِحْدَاهُمَا يَا أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ) ان دونوں عورتوں میں سے ایک نے اپنے باپ سے کہا: ابا جان، اس شخص کو نوکر رکھ لیجئے، بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہی ہو سکتا ہے جو مضبوط اور امانت دار ہو۔" یہ نہیں کہا کہ وہ نہایت تنومند وطاقت ور اور نہایت امانتدار ہے کیونکہ اس نے ایسا اور ایسا کیا تھا۔ بلکہ ایک کامیاب ملازم کی خصوصیات کو والد کے سامنے رکھ دیا کہ وہ ایسا ہونا چاہیے۔ تعجب کی بات نہیں کہ عفت مآبی اور عدمِ اختلاط کے ساتھ ساتھ یہاں مختصر کلامی بھی پائی جاتی ہے اور لحاظ اور حیا کا

یہ عالم ہے کہ الفاظ تک سے پھوٹی پڑ رہی ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ بات لڑکی نے اپنے باپ سے حضرت موسیٰ کی پہلی ملاقات کے وقت ہی کہہ دی ہو۔ غالب گمان یہ ہے کہ اس کے والد نے اجنبی مسافر کو ایک دو روز اپنے پاس ٹھہرالیا ہو گا اور اس دوران میں کسی وقت بیٹی نے باپ کو یہ مشورہ دیا ہو گا۔ اس مشورے کا مطلب یہی تھا کہ آپ کی کبرِ سنی کے باعث مجبوراً ہم لڑکیوں کو کام کے لیے نکلنا پڑتا ہے۔ ہمارا کوئی بھائی نہیں ہے کہ باہر کے کام سنبھالے۔ آپ اس شخص کو ملازم رکھ لیں، مضبوط آدمی ہے، ہر طرح کی مشقت کرے گا اور بھروسے کے قابل آدمی ہے۔

16: ان لڑکیوں نے حضرت موسیٰ کو امین بھی کہا تھا۔ مفسرینِ کرام کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انہیں بلانے کے لیے ایک لڑکی گئی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ آپ میرے پیچھے چلیں اور جدھر مڑنا ہو ادھر کنکری مار کر اشارہ کر دیں۔ اس سے بڑھ کر عفت و پاکدامنی کیا ہو سکتی ہے کہ راستہ بتانے میں بھی زبان کا استعمال نہ کیا جائے اور نہ ہی نظروں کے سامنے چلا جائے بلکہ پیچھے چلتے ہوئے جدھر مڑنا ہو اس طرف کنکری پھینک کر اشارہ کر دیا جائے۔

17: حضرت موسیٰ کی عظمت اس بات سے بھی نمایاں ہوتی ہے کہ آغازِ قصہ میں بھی ان کا سابقہ ان لڑکیوں سے پڑا تھا اور اس کے بعد بھی، لیکن ان کی کل گفتگو ہمیشہ بے حد مختصر رہی۔ لیکن بعد ازاں جب ان کا سامنا ان کے والد سے ہوا تب بات ایک دو جملوں میں نہیں سمیٹی گئی، بلکہ پورا واقعہ اور پورا ماجرا ان کے گوش گزار کرایا گیا۔ قرآن کے الفاظ اس بارے میں یہ ہیں: (فَلَمَّا جَاءَهُ وَقَصَّ عَلَيْهِ الْقَصَصَ قَالَ لَا تَخَفْ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ) موسیٰ جب اس کے پاس پہنچا اور اپنا سارا قصہ سنایا تو اس نے کہا: کچھ خوف نہ کرو، اب تم ظالم لوگوں سے بچ نکلے ہو۔

خدمتِ والدین کی شاہراہ جنت جاتی ہے!

خورشید عالم داؤد

خوش قسمت اولاد:

وہ اولاد نہایت ہی خوش قسمت ہے، جس نے اپنے والدین کو عقل و شعور میں پایا اور ان کی خدمت کر کے جنّت کی شاہِ کلید حاصل کر لیا۔ والدین کا رشتہ ایک ایسا عظیم رشتہ ہے جو سب سے زیادہ حسن سلوک، عزت و توقیر، اطاعت و فرمانبرداری، احسان و اکرام اور ادب و احترام کا متقاضی ہے۔ والدین ایک عظیم نعمت اور عطیۂ ربّانی ہیں۔ زجر و توبیخ کرنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا تو دور کی بات، اسلام نے انہیں "افّ" بھی کہنے کی اجازت نہیں دی ہے۔ ایک مطیع و فرمانبردار اور صالح اولاد کی یہ ذمے داری ہے کہ والدین کے سامنے متواضعانہ انداز میں پیش ہو اور ان کا حکم کو بجالائے۔

بد قسمت اولاد:

آج لوگ والدین کے حقوق کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور بسا اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ کچھ لوگ والدین کے مقابلے میں جانوروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ آج یورپی ممالک؛ بل کہ بہت سے ایشیائی ممالک میں بھی جو لوگ "فادرس ڈے" اور "مادرس ڈے" مناتے نہیں تھکتے، ان کا حال یہ ہے کہ والدین کو بڑھاپے میں "اولڈ ایج ہاؤس" میں پہنچا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ والدین بڑھاپے میں اپنی اولاد اور بچوں کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند ہوتے ہیں۔ ایسے وقت میں ان کو ایسی جگہ پر پہنچا دیا جاتا کہ وہ ایک تو بڑھاپے اور دوسرے اولاد کی جدائی کے صدمہ میں ڈپریشن کے مریض ہو جاتے ہیں۔ یہ نام نہاد مہذّب و مشفق یورپی ممالک کے لوگ، جو اپنے والدین کے

حقوق ادا نہیں کر پاتے، دوسروں کو حقوق انسانی کا درس دینے میں ذرہ برابر بھی شرم و عار محسوس نہیں کرتے ہیں۔ ان ممالک میں ایک شخص اپنے پالتو کتّے کے حقوق کی رعایت، اپنے والدین کے حقوق سے زیادہ کرتا ہے۔ اس طرح کی اولاد کو بدقسمت نہیں کہیں گے تو اور کیا کہیں گے!

اویس قرنی رحمہ اللہ:

اسلامی تاریخ میں ایک شخص اویس بن عامر قرنی یمنی (رحمۃ اللہ علیہ) کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہ بڑے متقی و زاہد اور خیر التابعین تھے۔ انھوں نے عہد نبوی پایا؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نہیں کر سکے۔

وجہ یہ تھی وہ اپنی والدہ کی خدمت کے لیے تنہا تھے اور کوئی دوسرا نہیں تھا جو ان کی خدمت کرتا؛ لہذا والدہ کی خدمت میں رہے اور رسول اللہ صلی اللہ کا دیدار کر سکے اور نہ صحبت نبوی سے مشرف یاب ہو سکے۔ یہ ہے حسن سلوک اور والدین کی اطاعت و فرمانبرداری کا عظیم نمونہ۔

(حلیۃ الأولیاء 2/87)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اویس قرنی کو "خیر التابعین" سے تعارف کرایا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کرتے ہیں۔

ترجمہ: تابعین میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جسے اویس کہا جاتا ہے۔ اس کی ماں (زندہ) ہے، اور اس کے جسم میں (برص کے) سفید داغ ہیں۔ تم ان سے کہو کہ وہ تمہارے لیے مغفرت کی دعا کرے۔

(مسلم شریف)

اسلام ایک متوازن اور معتدل دین ہے۔ اس دین میں سب کے حقوق کی

خوب رعایت کی گئی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور احسان کرنے کا جو حکم آیا ہے، ہم اسے ذیل میں قلم بند کرتے ہیں۔

والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو!

اللہ سبحانہ وتعالی کا ارشاد ہے: ترجمہ: اور ہم نے انسان کو ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

(سورۃ عنکبوت، آیت:8)

اللہ سبحانہ وتعالی نے اس آیت کریمہ میں انسان کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔ اس حکم کو اللہ تعالی نے "وَصَّیْنَا" سے تعبیر کیا ہے۔ وصیّت کہتے ہیں کسی شخص کو کسی عمل کی طرف بلانے کو؛ جب کہ وہ بلانا نصیحت اور خیر خواہی پر مبنی ہو۔

(معارف القرآن، 6/676)

والدین کو "ہونہہ" بھی مت کہو!:

ایک جگہ قرآن کریم میں ارشاد خداوندی ہے کہ والدین کو "اف" بھی نہ کہا جائے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیے: اور تیرے رب نے حکم کر دیا ہے کہ بجز اس کے کسی کی عبادت مت کرو اور تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کیا کرو۔ اگر تیرے پاس ان میں سے ایک یا دونوں کے دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں، سو ان کو کبھی "ہونہہ" بھی مت کہنا اور نہ ان کو جھڑکنا اور ان سے خوب ادب سے بات کرنا۔ اور ان کے سامنے شفقت سے، انکساری کے ساتھ جھکے رہنا اور یوں دعا کرتے رہنا کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا کہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں پالا پرورش کیا ہے۔ (سورۃ بنی اسرائیل، آیت:23-24)

والدین کے ساتھ احسان کا معاملہ کرو:

قرآن کریم میں ایک جگہ فرمان خداوندی ہے۔ ترجمہ: اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو اور (اپنے) والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو۔

(سورۃ نساء، آیت:36)

اس کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع عثمانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

لفظ "احسان" لایا گیا، جس کے عام مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ حسب ضرورت ان کے نفقہ میں اپنا مال خرچ کریں اور یہ بھی داخل ہے کہ جیسی ضرورت ہو اس کے مطابق جسمانی خدمات انجام دیں۔ یہ بھی داخل ہے کہ ان کے ساتھ گفتگو میں سخت آواز سے یا بہت زور سے نہ بولیں جس سے ان کی بے ادبی ہو، کوئی ایسا کلمہ نہ کہیں جس سے ان کی دل شکنی ہو۔ ان کے دوستوں اور تعلق والوں سے بھی کوئی ایسا سلوک نہ کریں جس سے والدین کی دل آزاری ہو؛ بل کہ ان کو آرام پہونچانے اور خوش رکھنے کے لیے جو صورتیں اختیار کرنی پڑیں وہ سب کریں۔ یہاں تک کہ اگر ماں باپ نے اولاد کے حقوق میں کوتاہی بھی کی ہو جب بھی اولاد کے لیے بد سلوکی کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

(معارف القرآن 2/410)

والدین کی شکر گزاری کیا کرو!:

اللہ تعالی انسان کو والدین کی شکر گزاری اور اچھائی و حسن سلوک کی وصیت و تاکید کرتے ہوئے ماں کے حمل کی مشقت و تکلیف اور پھر دودھ پلانے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ترجمہ: اور ہم نے انسان کو ان ماں باپ کے متعلق تاکید کی

ہے۔اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر، اس کو پیٹ میں رکھا اور دو برس میں اس کا دودھ چھوٹتا ہے کہ تو میری اور اپنے ماں باپ کی شکر گزاری کیا کرو۔

(سورۃ لقمان، آیت: 14)

یہاں جب کہ والدین کے حقوق اور ان کی شکر گزاری کا حکم دیا گیا؛ تو اس کی حکمت یہ بتلادی کہ اس کی ماں نے اس کے وجود و بقا میں، بڑی محنت برداشت کی ہے کہ نو مہینے تو اس کو اپنے شکم میں رکھ کر اس کی حفاظت کی اور اس کی وجہ سے جو روز بروز اس کو ضعف پر ضعف اور تکلیف پر تکلیف بڑھتی گئی، اس کو برداشت کیا، پھر اس کے پیدا ہونے کے بعد بھی دو سال تک اس کو دودھ پلانے کی زحمت برداشت کی، جس میں ماں کو خاصی محنت بھی شب و روز اٹھانی پڑتی ہے، اور اس کا ضعف بھی اس سے بڑھتا ہے اور چوں کہ بچے کی پرورش میں محنت و مشقت زیادہ ماں اٹھاتی ہے؛ اس لیے شریعت میں ماں کا حق باپ سے بھی مقدم رکھا گیا ہے۔

(معارف القرآن 7/37)

نماز کے بعد والدین کا درجہ:

شریعت اسلامیہ میں نماز کو ایک بڑا ستون قرار دیا گیا ہے اور اس کے بعد والدین کے ساتھ نیکی کا درجہ رکھا گیا ہے؛ لہذا جب بھی والدین ہمیں اپنی خدمت اور کسی بھی غرض سے بلائیں، ہمیں بغیر کسی تاخیر کے ان کی خدمت میں حاضر ہونا چاہیے۔ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: نماز وقت پر ادا کرنا۔ انہوں نے سوال کیا، پھر کون سا عمل؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ انہوں نے پھر سوال کیا، پھر کون سا عمل؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جواب مرحمت فرمایا: اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔

(بخاری شریف، حدیث نمبر:5970)

والدہ احسان کی سب سے زیادہ مستحق:

والدہ احسان اور حسن سلوک کی سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک سائل کے سوال کے جواب میں تین بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدہ کو حسن رفاقت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق بتلایا ہے۔ اس حدیث شریف کی وضاحت میں علماء کرام نے یہ لکھا ہے کہ حسن سلوک کے حوالے سے ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں تین گنا زیادہ ہے۔ وہ اس لیے کہ ماں تین ایسی مشقتیں برداشت کرتی ہیں، جو باپ نہیں کرتا۔ وہ مشقتیں یہ ہیں: حمل کی مشقت، بچہ جننے کی مشقت اور دودھ پلانے کی مشقت۔

حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ترجمہ: ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! میری حسن رفاقت کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہاری ماں“ اس نے سوال کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تمہاری ماں“ پھر اس نے عرض کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ”تمہاری ماں“ (اس کے بعد پھر) اس شخص نے سوال کیا: پھر کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ”تمہارا باپ۔“

(بخاری شریف، حدیث: 5971)

مشرکہ ماں کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو!

اگر کسی کے والدین کافر و مشرک ہوں، اس صورت میں بھی اسلام حسن

سلوک سے نہیں روکتا؛ بل کہ حکم کرتا ہے کہ ان کے ساتھ بھی اچھے اخلاق سے پیش آؤاور ان کے ساتھ حسن سلوک کرو۔

حضرت اسماء رضی اللہ تعالی عنہا کی والدہ "قتیلہ" جو کہ مشرکہ تھیں، بیٹی کے پاس کچھ ضرورت کی وجہ سے آئیں۔ اس حوالے سے بیٹی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کروایا؛ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے "صلہ رحمی" کا حکم صادر فرمایا۔ حدیث کا ترجمہ ذیل میں ہے: عہد رسالت میں میری والدہ میرے پاس آئی؛ جب کہ وہ مشرکہ تھیں؛ تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتوی طلب کرتے ہوئے عرض کیا کہ میری ماں کسی کام سے آئی ہیں۔ کیا میں اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب عنایت فرمایا: "ہاں، اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو!

(بخاری شریف، حدیث:2620)

والدین کی رضا میں اللہ کی رضا:

ایک حدیث شریف میں اللہ کی رضا کو والدین کی رضا کے ساتھ لازم کر دیا گیا ہے۔ اگر والدین راضی ہوں؛ تو اللہ بھی راضی اور اگر والدین ناراض ہوں؛ تو اللہ بھی ناراض۔ ابن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رب کی رضا باپ کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی باپ کی ناراضی میں ہے۔

(ترمذی شریف، حدیث:1899)

والدین کے دوست کے ساتھ حسن سلوک:

اسلام میں والدین کے ساتھ حسن سلوک اور عزت و اکرام کے ساتھ یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ ان کے عزیز و اقارب اور دوستوں اور سہیلیوں کے ساتھ بھی

توقیر و تعظیم اور حسن سلوک کا معاملہ کیا جائے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بہت بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی اپنے والد کے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے۔

(مسلم شریف)

والدین کی نافرمانی کبیرہ گناہ ہے:

والدین کی نافرمانی کو اکبر کبائر (کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا گناہ) میں شمار کرایا گیا ہے۔ کبیرہ گناہ تو خود ایسا گناہ ہے کہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا، پھر وہ گناہ جو اکبر کبائر ہو اس کی شناعت و قباحت کتنی ہوگی! ایک حدیث شریف میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے شرک کے فورا بعد، والدین کی نافرمانی کو اکبر کبائر میں شمار کرایا ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن ابو بکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہایت ہی بڑے کبیرہ گناہ نہ بتادوں؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔ پھر آپ ٹیک لگا کر بیٹھے تھے کہ (ٹیک چھوڑ کر) بیٹھے، پھر فرمایا: خبر ادا! جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا۔ خبر ادا! جھوٹی بات کہنا اور جھوٹی گواہی دینا۔

(بخاری شریف، حدیث:5976)

دوسروں کے والدین کو بھی برا مت کہو!:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی اپنے والدین کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے؛ مگر دوسروں کے والدین کو گالی گلوچ کرتا ہے۔ پھر جواب میں دوسرا شخص بھی اس کے والدین کی گالی دیتا ہے؛ اس لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اگر

کسی کے ماں باپ کے ساتھ سبّ و شتم کرتے ہو، پھر جواب میں وہ تمہارے والدین کے ساتھ سبّ و شتم کرتا ہے؛ تو یہ ایسا ہے کہ گویا تم خود اپنے والدین کو گالی گلوچ کر رہے ہو؛ جب کہ والدین کے ساتھ گالی گلوچ کرنا کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبرہ گناہوں میں سے ہے کہ آدمی اپنے والدین کو گالی دے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ! کیا آدمی اپنے والدین کو گالی دیے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، وہ کسی کے باپ کو گالی دے، پھر وہ اس کے باپ کو (جواب میں) گالی دے اور یہ اس کی ماں کو گالی دے، پھر وہ (جواب میں) اس کی ماں کو گالی دے۔

(مسلم شریف)

خاک آلود ناک:

ایک حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لیے بدنصیب و بدقسمت اور ناک غبار آلود ہونے کی بد دعا فرمائی ہے جس نے اپنے ماں اور باپ دونوں کو یا پھر ان میں سے ایک کو کبر سنی میں پانے کے باوجود، ان کی خدمت کر کے اور ان دعا کی بدولت جنت کا مستحق نہ بن گیا ہو۔ والدین تو ہمیشہ حسن سلوک اور حسن رفاقت کے حق دار ہیں؛ لیکن بڑھاپے میں وہ اپنے اولاد کی خدمت کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں؛ لہذا اولاد کو بھی چاہیے کہ والدین کے ساتھ بڑھاپے میں زیادہ حسن سلوک کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث شریف میں بڑھاپے کا ذکر ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس شخص کی ناک غبار آلود ہو جائے، پھر اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جائے، پھر اس شخص کی ناک غبار آلود ہو جائے۔ آپ سے پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کون؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

جواب دیا: جس نے اپنے والدین میں سے ایک یا دونوں کو بڑھاپے میں پائے، پھر وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوا۔

(مسلم شریف)

والدین کی وفات کے بعد ان کے حقوق:

اسلامی تعلیمات کے مطابق والدین کے حقوق صرف ان کی حیات ہی تک محدود نہیں ہیں؛ بل کہ جب وہ انتقال کر جائیں، اس کے بعد بھی ان کے حقوق ہیں۔ بنو سلمہ قبیلہ کا ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس حوالے سے اس نے سوال کیا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے بعد بھی والدین کے حقوق شمار کرائے۔

حضرت ابو اسید مالک بن ربیعہ ساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ قبیلۂ بنو سلمہ کا ایک شخص آپ کے پاس آیا۔ پھر اس نے سوال کیا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے والدین کی موت کے بعد، کوئی ایسی نیکی باقی ہے کہ میں ان کے ساتھ کر سکوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں، ان کے لیے دعا کرنا، ان کے لیے استغفار کرنا، ان (کی موت) کے بعد ان کے وعدوں کو پورا کرنا، ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنا اور ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔

(ابوداؤد شریف، حدیث:5142)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ والدین کی موت کے بعد ہمیں ان کے لیے دعا کرنا چاہیے، استغفار کرنا چاہیے، ان کے وعدوں کو پورا کرنا چاہیے، ان کے رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنی چاہیے اور ان کے دوست و احباب کی عزت کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

زبان کی آفتیں

مولانا ناصر محمود

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اس پر ذرا غور کریں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے۔ بندہ اس کا کما حقہ شکر ادا نہیں کر سکتا۔ یہ زبان پیدائش سے لے کر مرتے دم تک انسان کا ساتھ دے رہی ہے۔نہ اس کی سروس (Service)کی ضرورت نہ پٹرول کی، نہ اوور ہالنگ کی۔ انسان کا ساتھ دیتے چلی جارہی ہے۔ یہ زبان ہماری ملکیت نہیں بلکہ ہمارے پاس امانت ہے۔ جب یہ امانت ہے تو پھر اس کو اللہ کی رضا کے مطابق استعمال کیا جائے۔

یہ نہ ہو کہ جو دل میں آیا بک دیا بلکہ جو بات اللہ کے احکام کے مطابق ہے وہ بات بولی جائے۔ زبان ہی سے آدمی جنت کا مستحق بنتا ہے اور زبان ہی سے دوزخ کا بھی مستحق بن جاتا ہے۔ اس لئے زبان کی بہت اہمیت ہے اور ہر اہم و قیمتی چیز کی حفاظت کرنی پڑتی ہے ورنہ وہ اپنی اہمیت کھو دیتی ہے۔ زبان کی حفاظت اور اس کا صحیح استعمال انتہائی ضروری ہے۔

اسی لئے قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ میں زبان کی حفاظت اور اس کے صحیح استعمال کی بڑی تاکیدیں آئی ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔اِذْ یَتَلَقَّی الْمُتَلَقِّیٰنِ عَنِ الْیَمِیْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِیْدٌ(16) مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ(17) ترجمہ: اس سے لیتے ہیں دو لینے والے ایک داہنے بیٹھا ایک بائیں۔ کوئی بات وہ زبان سے نہیں نکالتا کہ اس سے پہلے وہ لکھ لی جاتی ہے۔ ایک تیار بیٹھا ہوا محافظ لکھ لیتا ہے۔(سورہ قٓ 50/17،16) اللہ تبارک و تعالیٰ سب جانتا ہے صرف زبان سے بات کرنا ہی نہیں بلکہ سوچ کو بھی جانتا ہے۔ ہر انسان کے ساتھ دو فرشتے ہیں جو ہر بات

لکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ مریضوں کا کراہنا بھی لکھا جاتا ہے۔ اچھی بات دائیں طرف والا اور بری بات بائیں والا فرشتہ لکھتا ہے۔ (سوائے پیشاب پاخانہ کی حالت میں یا بیوی کے ساتھ وقت خاص میں) یہ فرشتے الگ ہو جاتے ہیں (اسی لئے اس وقت بات کرنا ممنوع ہے)۔ نیکی والا فرشتہ ایک نیکی کا دس لکھتا ہے بدی والا ایک کی ایک ہی لکھتا ہے۔ بندہ توبہ کرلے تو گناہ مٹ جاتا ہے بندہ مومن کے مرنے کے بعد وہ دونوں فرشتے قیامت تک اس کی قبر پر تسبیح و تحلیل کرتے رہتے ہیں جس کا ثواب اس بندے کو ملتا ہے۔

زبان کو گناہ کی باتوں سے بچاؤ:

زبان کو بات چیت، بیان و احکام میں ہمیشہ گناہوں کی باتوں سے بچانا ضروری ہے۔ مثلاً حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دے دینا، کسی کو تکلیف پہنچانا۔

قرآن پاک کا ارشاد ہے۔ ترجمہ: اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں، یہ حلال ہے یہ حرام ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھو۔ بے شک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہیں۔

(سورہ نحل، آیت 116)

آج کل بعض لوگ حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں مثلاً ایصال ثواب، وسیلہ شرعیہ، تصوف و سلوک وغیرہ، جو لوگ ناجائز قرار دیتے ہیں ان کو اس آیت کے پیش نظر اپنا حکم معلوم کرلینا چاہئے کیوں کہ قرآن پاک اور حدیث پاک میں کہیں بھی ان چیزوں کو حرام قرار نہیں دیا گیا ہے۔ تو اب لوگوں کو یہ حق کہاں سے مل گیا کہ اللہ پر افترا کرکے حلال چیزوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ اسی طرح آج بہت سے لوگ حرام چیزوں کو حلال قرار دے کر بھی بہت بڑا گناہ کرتے ہیں اور اللہ پر افترا باندھتے ہیں۔ مثلاً سود، رشوت، جوا، ناجائز کھیل تماشے، شرعی ضرورت کے بغیر فوٹو کھنچوانا وغیرہ۔ آجکل ان سب کا بازار خوب گرم ہے اور کہنے پر طرح طرح کے حیلے بہانے

نکالتے ہیں۔ ایسے لوگ بھی اس آیت مبارکہ میں داخل ہیں۔ آجکل لوگوں کی عادت ہے کہ کسی سے ناراض ہوئے، غصہ آیا اور لعنت ملامت شروع کر دی۔ فلاں پر اللہ کی لعنت، فلاں پر لعنت۔ آج کل یہ بیماری بلکہ وباعام ہے۔ حالانکہ ہم کو نہیں معلوم کہ یہ ہماری بھیجی ہوئی لعنت کا کیا حشر ہوتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: مومن نہ لعن کرنے والا ہوتا ہے نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش بکنے والا بیہودہ ہوتا ہے۔

(ترمذی)

رحمت عالم ﷺ نے فرمایا جو لعنت کرتے ہیں وہ قیامت کے دن نہ گواہ ہوں گے نہ کسی کے سفارشی۔

(صحیح مسلم)

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا مومن کو یہ نہ چاہئے کہ لعنت کرنے والا ہو۔

(ترمذی)

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ کسی چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ لعنت آسمان کو جاتی ہے۔ آسمان کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں۔ پھر دائیں بائیں جاتی ہیں۔ جب کہیں راستہ نہیں پاتی تو اس کی طرف آتی ہے جس پر لعنت بھیجی گئی۔ اگر اسے اس کا اہل پاتی ہے تو اس پر پڑتی ہے ورنہ بھیجنے والے پر آجاتی ہے۔

(ابوداؤد شریف)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص کی چادر کو ہوا کے تیز جھونکے لگے۔ اس نے ہوا پر لعنت کی۔ حضور نے فرمایا کہ ہوا پر لعنت نہ کرو، وہ خدا کی طرف سے مامور ہے۔ اور جو شخص ایسی چیز پر لعنت کرتا ہے جو لعنت کی اہل نہ ہو تو لعنت اسی پر لوٹ آتی ہے۔

(بحوالہ کشف القلوب جلد ۳ صفحہ 280، ترمذی شریف)

زبان اللہ کی امانت ہے:

حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ یا تو وہ اچھی اور نیک بات کہے یا خاموش رہے۔ دوسری روایت بھی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سنا، آپ نے فرمایا کہ ایک انسان سوچے سمجھے بغیر جب کوئی کلمہ زبان سے کہہ دیتا ہے تو وہ کلمہ اس شخص کو جہنم کے اندر اتنی گہرائی تک گرا دیتا ہے جتنا مشرق اور مغرب کے درمیان فاصلہ اور بُعد (دوری) ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان)

زبان جہنم میں لے جانے والی ہے:

ایک حدیث پاک میں سرکار دوجہاں ﷺ نے فرمایا کہ جتنے لوگ جہنم میں جائیں گے ان میں اکثریت ان لوگوں کی ہوگی جو اپنی زبان کی کرتوت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے۔ مثلاً جھوٹ بول دیا، غیبت کر دی، کسی کا دل دکھایا، کسی کی دل آزاری کی، دوسروں کے ساتھ غیبت میں حصہ لیا، کسی کی تکلیف پر خوشی منائی، زیادہ باتیں کیں۔ جب یہ گناہ کے کام کئے تو اس کے نتیجے میں وہ جہنم میں چلا گیا۔

(ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمۃ الصلاۃ، حدیث نمبر 2616)

ایک بڑی پیاری حدیث پاک ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی کَرِہَ لَکُمْ ثَلَاثَۃً قِیْلَ وَ قَالَ وَ اِضَاعَۃَ الْمَالِ وَ کَثْرَتُ السُّوَال اللہ پاک تین لوگوں کو سخت ناپسند فرماتا ہے۔

(۱) زیادہ باتیں کرنے والے کو (۲) فضول خرچی کرنے والے کو (۳) زیادہ سوال کرنے والے کو۔ بیہقی نے حضرت عمر بن حصین سے روایت کی ہے کہ حضور

ﷺ نے فرمایا کہ سکوت پر قائم رہنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے۔

ترمذی شریف میں ابو سعید خدری سے روایت ہے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ابن آدم جب صبح کرتا تو تمام اعضاء زبان کے سامنے عاجزانہ یہ کہتے ہیں کہ تو خدا سے ڈر کہ ہم سب تیرے ساتھ وابستہ ہیں اگر تو سیدھی رہی تو ہم سیدھے رہیں گے اور اگر تو ٹیڑھی ہو گئی تو ہم سب ٹیڑھے ہو جائیں گے۔

(ترمذی، حدیث نمبر 2407)

یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے اگر اس کو صحیح استعمال کریں اس کو قابو میں رکھیں، بے قابو نہ چھوڑیں۔ اسی لئے کہا گیا کہ زبان سے یا تو صحیح بات بولو ورنہ خاموش رہو۔ اس لئے کہ خاموشی اس سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ آدمی غلط بات زبان سے نکالے۔ اسی وجہ سے زیادہ باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نہ صرف منع کیا گیا ہے بلکہ اللہ پاک ایسے شخص کو ناپسند فرماتا ہے جیسا کہ اوپر حدیث پاک آپ پڑھ چکے ہیں۔

اگر انسان زیادہ بولے گا تو زبان قابو میں نہیں رہے گی۔ کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہو گی اور اس کے نتیجے میں انسان گناہ میں مبتلا ہو جائے گا۔ اس لئے ضرورت کے مطابق بولو، زیادہ نہ بولو۔ جیسے ایک بزرگ کا قول ہے کہ پہلے بات کو تولو پھر بولو۔ جب تول تول کر بولو گے تو یہ زبان قابو میں آجائے گی۔ صحابہ کرام اور صوفیائے کرام نے بھی زبان کی حفاظت کو خوب اہمیت دی ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو انبیاء کرام کے بعد سب سے افضل انسان ہیں، وہ ایک مرتبہ اپنی زبان کو پکڑے بیٹھے تھے اور اس کو مروڑ رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ان ھذا وری الموارد۔ ترجمہ: اس زبان نے مجھے ہلاکتوں میں ڈال دیا ہے، اس لئے اس کو قابو میں

کرنا چاہتا ہوں۔

(موطا امام مالک، کتاب الکلام باب ماجاء فی مایخاذ من اللسان)

بعض روایات مروی ہیں کہ آپ منہ میں کنکریاں ڈال کر بیٹھ گئے تا کہ بلا ضرورت زبان سے بات نہ نکلے۔ زبان ایسی چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے انسان جنت بھی کما سکتا ہے اور دوزخ بھی کما سکتا ہے۔

زبان کو بہر حال قابو میں کرنے کی ضرورت ہے تا کہ یہ بیجا استعمال نہ ہو۔ اس سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ انسان زیادہ باتیں کرنے سے پرہیز کرے۔ اس لئے انسان جتنا زیادہ کلام کرے گا اتنا ہی زیادہ گناہوں میں مبتلا ہو گا۔

ہمارے معاشرے میں زبان کے غلط استعمال کی جو وبا چل پڑی ہے یہ بہت خراب اور خطرناک بات ہے۔ دوستوں کو بلالیا کہ آنا ذرا بیٹھ کر گپ شپ کریں گے۔ اب اس گپ شپ کے اندر جھوٹ بولا جارہا ہے، غیبت ہو رہی ہے، دوسروں کی برائی ہو رہی ہے، دوسروں کی نقل اتاری جارہی ہے۔ اس طرح کی اڈہ بازی میں نہ جانے کتنے گناہ ہو رہے ہیں۔

لہٰذا زبان کی آفات، خرابی، فحش گوئی، دشنام طرازی، زبان درازی کی لعنت، مسخرہ پن، فضول گوئی، چغلی، حسد وغیرہ وغیرہ جتنی آفتیں ہیں زبان کی ہی وجہ سے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ زبان شکر بھی کھلائے اور جوتے بھی کھلائے۔ حضرت ہشام بن عمرص سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص غلام کو طمانچہ مارے اس کا کفارہ غلام کو آزاد کرنا ہے۔ جو شخص اپنی زبان کی حفاظت کرے گا اس کو عذاب سے نجات دی جائے گی۔ جو اللہ سے معذرت کرے گا معذرت قبول کی جائے گی۔ مومن کو چاہئے کہ پڑوسی اور مہمان کا اکرام کرے، زبان کی ترشی سے بچائے اور پڑوسی سے بھلائی کی بات کرے ورنہ خاموش رہے۔

زبان کی گھٹتی قیمت:

نہایت ہی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج کے دور میں زبان کی قدر وقیمت گھٹتی جارہی ہے اور اس کے صحیح استعمال سے بہت غفلت برتی جارہی ہے۔ حتیٰ کہ اب اہل علم، دین کے ذمہ داران بھی اس سلسلے میں بے توجہی کا شکار ہیں۔ اس لئے سب سے پہلا کام یہ ہے کہ اس زبان کو قابو میں کرنے کی اہمیت دل میں پیدا کریں، خوفِ خدا پیدا کریں، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ خیر کی بات کرے، ورنہ خاموش رہے، اور جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کی عزت کرے، اور جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے"

(بخاری شریف حدیث نمبر 6138، 6475، مسلم شریف:47)

حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ خیر کی بات کرنا، پڑوسی کے حقوق ادا کرنا اور مہمان نوازی کرنا.... یہ سارے اعمال ایمان میں شامل ہیں۔ خیر کی بات کرنا زبان کی اہمیت کو بتاتا ہے اور خاموش رہنے کی تلقین زبان کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے۔

اپنا احتساب کریں:

کیا آپ کے نزدیک آپ کی زبان ہر قسم کی ذمہ داری سے آزاد اور مستثنیٰ ہے؟ کیا آپ اس بات کے منکر ہیں جو قرآن میں اللہ نے فرمایا کہ انسان کوئی بات بولتا ہے مگر یہ کہ اس کے لئے ایک فرشتہ تیار رہتا ہے لکھنے کے لئے۔ (القرآن سورہ ق)

کیا آپ کو اطمینان ہے کہ آپ کی زبان سے جو کچھ نکل رہا ہے اس پر کسی کی گرفت نہیں ہوگی؟

ماہنامہ بنات اہلسنت ملنے کے پتے

ایجنسی ہولڈرز	علاقہ	فون نمبرز
دارالایمان	کراچی	03342028787
قاری عبدالوکیل عزیزی	سیالکوٹ	03338639255
مولانا محمد دلاور	اوکاڑہ	03136969193
مولانا عبداللہ قمر	قصور	03008091899
مولانا عبداللہ شہزاد	حافظ آباد	03212374824
محمد رئیس	ٹانک	03319143483
مولانا خالد زبیر	لاہور	03153759031
مولانا خالد زبیر	چکوال	03335912502
مولانا غلام مرتضیٰ	فورٹ عباس	03052475330
مولانا محمد صدیق	ڈیرہ غازی خان	03356351893
مولانا محمد قاسم	ملتان	03007408019
قاضی اسرائیل گڑنگی	مانسہرہ	03023501755
مولانا طارق حسین	پشاور	03219192406
مولانا امان اللہ حنفی	سرگودھا	03067800751
مولانا محمد اختر	کبیر والا	03336228425
ذوالقرنین	ڈیرہ اسماعیل خان	03343682508

نوٹ: ایجنسی بک کروانے کے لیے رابطہ کریں: 03326311808